خواجہ نصیر الدین طوسی
قم مرکز تحقیق باقر العلوم

خواجہ نصیرالدین طوسی

قم مرکز تحقیق باقرالعلوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

آج کل جسے تاریخ کا نام دیا جاتا ہے اور جس کے ذریعہ بڑی بڑی ہستیوں کو پہچنوایا جاتا ہے وہ سب حقیقت نہیں بلکہ اس کا ایک حصہ ہے جس میں انسان اور دنیا کی جھلک دکھائی جاتی ہے۔ رسمی تاریخ تعلق انھیں افراد سے ہوتا ہے جن کی فکر ونظر مادیت سے آگے نہیں جاتی اور انہوں نے انسان اور اس کی دنیا کو جغرافیائی حدود میں قید کرر کھا ہے۔ اکثر مغربی تاریخ نویس حقیقت کو آنکھ کے تل کی طرح مانتے ہیں جو خود کو دیکھ نہیں پاتا وہ لوگ حقیقت شناسی کے میدان میں حواس و ہوش کو کام میں لاتے ہیں۔ جب کہ اس کے مصرف ہیں کہ اسے محسوس نہیں کیا جاتا۔

وہ لوگ بہترین تاریخ نویس نہیں ہو سکتے جو تجربہ کو عقل کی بنیاد اور رواں دواں لذت وتوسعہ کو انسان کا اعلیٰ مقصد و بشریت کے انجام کا کعبہ جانتے ہیں۔ ایسے لوگ جو ''ہستی'' کو بے آغاز انجام کتاب اور انسان کو زندگی کے دلدل کا روئیدہ شجر جانتے ہیں وہ حقائق عالم کی تفسیر وتشریح نہیں کر سکتے یہ لوگ ہمیشہ زمانے کی بساط شطرنج پر ظلمت کے لشکریان کو مات دینے والے بنے رہے اور صرف ایسی چیزوں کو ابھارا جس میں گہرائی ہے نہ حس وتواں۔

آج تاریخ کے کتاب خانوں کی الماریاں مادہ پرست مورخین کی نگارشات سے بھری پڑی ہیں جنھوں نے ہزاروں کتابیں، مقالے، تصاویر وقلم و اسناد اپنے جیسے معمولی افراد کے

فضائل ومناقب میں جمع کر کے رکھ دیتے ہیں۔ان کتاب خانوں میں بہت کم ایسی ہستیاں ملیں گی جنہوں نے وحی کے لئے طور کی سیر کی اور آواز لن ترانی سنی ہواور خلیل خدا کی طرح عقل کوکوچہ عشق میں قربان کردیا۔

یہ تاریخ نویس ہمیشہ حالات کوایک نگاہ سے دیکھنے کے عادی تھے، شاہان ستم گر کے کاسہ لیس اور سطحی نظر رکھنے والے تھے ان کی زیادہ تر روایتیں ساز وسوز وشہرت وشعر وشباب کی ہوتی تھیں اور وہ عقیدہ ایمان وآزادی کے دشمن تھے۔ان کا مقبول ومطلوب معیار اب بھی زر، وزوروتزویری ہے۔اورنگ وجنگ وننگ ان کے تین عناصر ترکیبی ایسے میں شجاعت دائمی کے نگہبانوں کا فرض بنتا ہے کہ وہ مغرب کے معیار ونمونہ پر حملہ کریں اور تفسیر آفتاب لکھیں حدیث و''روایت نور'' کودہرائیں۔

ہاں:اس فریب ومکر کی دنیا میں حدیث اخلاص اور''قلہ ہائے شجاعت ایثار'' کی باتیں بھی ہونا چاہیں اور فکر بلندو جہاذ'' کے ان صدرنشینوں کا تعارف کرانا چاہیے جوغفلت وذات کے اندھے کنویں میں پڑے ہوئے ہیں۔

لازم ہے کہ آزادی کے ان جھوٹے مجسموں کے مقابلے''تندیس (تصویر،مجسمہ، پیکر، تمثال)ڈھنڈورچی'' توسعہ (وسیع النظری)'' کے خالی نقارے کو پیٹ رہے ہیں۔صدائے بیدارہ اور نعرہ فضیلت کو بلند کرنا چاہیے۔حوزہ علمیہ کے بیدار اشرف اور قبیلہ ابرار کے بہترین فرزندان کا فرض ہے کہ وہ حتی الامکان مغرب کی دروغ گوئی وفریبی معیار پیمانے وترازوکوتوڑ پھوڑ ڈالیں ان کے معیار واقدار کورسوا کر کے قرآنی واسلامی تہذیب وآداب سے لوگوں کو

آشنا کریں اور کفر والحاد وابتذال واستبداد کی ثقافتی جنگ میں سب لوگ ایک صف ہو کر ایمان وتوحید وتقویٰ وعدالت کا لشکر ترتیب دیں۔

یونیورسٹی وحوزہ علمیہ ومدراس دینی کے علمائے متعہد کا فریضہ ہے کہ جوانوں اور نئی نسل کے سامنے اسلام کے اعلیٰ معیار واقدار اور مغرب کی مبتذل تہذیب کا مقابلہ کر کے انھیں اسلام سے رغبت دلائیں تا کہ امت کے امور کی ڈور مغرب کے پروانہ صفت عشاق کے ہاتھوں میں نہ جانے پائے۔

لہٰذا اب یہ ضروری ہو گیا ہے کہ خالص عوامی رفاہ طلب افراد اور زاہدان سیاست مدار کا تعارف کیا جائے اور ان کے مقابل میں مغرب کے ہاتھوں بکے ہوئے ''پرچمداران علم و سیاست'' و ''وزیران دین پرور'' کی بات چھیڑی جائے اور مغربی سازش والے سیمناروں کے مقابلے اور اس ڈالر کی حاکمیت والے زمانے میں مدرسہ فیضیہ کے فرزند آزادی و استقلال کا پرچم لے کر کھڑے ہو جائیں اور سرکار مرزا شیرازی کی طرح فتویٰ کی طاقت کو دکھا دیں اور سیاسی وثقافتی سرحدوں کی نگہبانی تنگ درہ کے کماندار جیسی کریں۔

عظیم شخصیتیں حیات بشری کی راتوں کے مہتاب اور انسانی امن وعافیت کے مضبوط قلعے اور پناہ گاہ ہیں اور انسانی قدروں پر بھیڑیوں کا حملہ ہو تو پناہ گاہوں کی طرف بسرعت چل پڑنا چاہیے۔

شخصیتوں کا قعلہ دراصل علم فقہ کے باغبانوں کی داستان ہے وہ فقیہان جاوداں، حکیمان فرو تن وفرزانہ جنہوں نے شریعت کی مشعل ہاتھوں میں یوں تھامی کہ سحر کے سفیر اور مصلحان دلاور بن گئے اس لئے تمام فرزندان اسلام پر لازم ہے کہ ستم وجور وفریب وجہل کی تاریکی

میں اس قبیلہ نور کو پہچانیں۔ ''درفش (پرچم، علم، جھنڈا) ولایت'' سے آشنا ہوں اور مغرب کی سیاہ رات میں مشرق وشمال وجنوب کے ستاروں کی مدد سے راستہ ڈھونڈ نکالیں یہ ''قلم کی رسالت ومنصب، حریت کی حدیث مسلسل نور ونمائش کے حلقہ کی پاسداری ہے لہٰذا خیال رہے کہ دوسرے لوگ ہرگز ہماری دلاوری کی تاریخ لکھیں گے نہ ہماری تہذیب وثقافت کی تعریف کریں گے ہمیں خود ہی یہ کام کرنا ہوگا۔ ان ستاروں کی سوانح عمری لکھنا ہمارا فرض ہے کیونکہ ظلمت کے نگہبان و پرستار ہمیشہ نور سے بھاگتے ہیں اور فکر ونظر کے جلاد کبھی بھی عقل و وحی کے طرف داروں کو اچھا نہیں کہیں گے اور سستی و کاہلی کے عاشق کبھی بھی پرواز کے ترانے نہیں سنائیں گے۔

اس کے ساتھ ہم محترم نویسندگان وقارئین کے شکر گزار ہیں عظیم شخصیتوں کی زیارت ان ہی ستاروں کے ذکر پر ختم نہیں ہوتی بلکہ آئندہ دنوں ہم ساٹھ دیگر شخصیات پرنور کی زیارت کریں گے۔ اوران کی حیات وآثار پڑھ کر فیض حاصل کریں گے۔ توفیق اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور اس سے قبولیت والطاف بیکراں کی امید ہے۔ آخر میں صاحبان فکر ونظر قارئین سے گزارش ہے کہ اپنے مشورہ قم پوسٹ بکس نمبر ۱۳۵ / ۱۸۵۷۳ کے پتے پر ارسال کر کے ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں۔

قم مرکز تحقیق باقر العلوم

☆☆☆

مقدمہ

اس کتاب میں سرزمین ایران کے عظیم فلسفی و عالم خواجہ نصیرالدین طوسی کی زندگی کا مختصر بیان ہے۔کون تھے وہ، ساتویں صدی ہجری کے علمائے اجل میں سب سے نمایاں ایسا انسان کہ ان کی وفات کے سات سوسال بعد بھی دنیا ان کے علم پر تکیہ کئے ہوئے ہے جنھوں نے اپنی فکر ونظر کی وسعتوں کو دنیائے اسلام کے لئے سرمہ نگاہ اپنی سیاسی وعلم شخصیت کو نمائش دوام کے لئے رکھا دیا ہے۔

خواجہ نصیر ایک ایسا نام ہے جس سے دنیائے علم کی تاریخ آگاہ ہے یہ ہی نہیں بلکہ وہ اس سر زمین ایران کی عالم پروری اور علم کی تلاش وکوشش کی بولتی ہوئی تصویر بھی ہے۔

اس عظیم دانش منداور فلسفی وریاضی دان کی زندگی جو بغدادحلہ ونیشاپوروطوس جیسے شہروں میں تحصیل وتالیف ومسائل اجتماعی وسیاسی مشاغل میں گزری وہ حکمت وریاضی وہیئت کا نامور ترین استاد تھا اس نے ایسے انکشافات کئے ہیں جہاں کسی کی فکر کی رسائی نہیں ہوئی تھی اور ایسے موضوعات کو منور کیا ہے جو اب تک اچھوتے تھے۔آپ نے علم کلام میں ایسا ناقوس بجایا کہ اس کی آواز دلربا ابھی اہل دانش کے کانوں میں گونج رہی ہے۔

اگر چہ ہم خواجہ نصیر کو ایک عظیم فلسفی، کلامی ماہر فلکیات کے طور پر جانتے ہیں۔لیکن حق یہ ہے کہ ہنگاموں وحوادث سے بھری ہوئی اور ایک وحشی ترین قوم کے درمیان گزرنے والی ان کی طویل زندگی کا کما حقہ بیان اب تک ہوا ہی نہیں کیونکہ مستشرقین ومغرب زدہ اہل قلم نے ان کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ ان کے زمانے سیاسی واجتماعی حالات کا لحاظ کئے بغیر ہی

لکھا اور اس طرح انہوں نے خواجہ کی شخصیت کو بالکل بدل دیا ہے اور ان کی صحیح تصویر کو جہل و سیاست کے غبار میں چھپا دیا ہے۔ چنانچہ سات سو برس گزرنے کے بعد بھی خواجہ نصیر مظلومیت کے اسیر ہیں کیونکہ جب خود غرض و متعصب افراد سے ان کی علمی حیثیت کا انکار ممکن نہ ہوا تو انہوں نے خواجہ کے سیاسی و اجتماعی چہرے کو داغدار و مجروح کرنے کی کوشش کی اور کم نہیں بلکہ بہت زیادہ۔

ادھر جس بات نے ہمیں قلم اٹھانے پر اکسایا اور اس عظیم دانشمند کی طوفانی دریا جیسی زندگی کو کاغذ کے سینے پر اتارنے کے لئے مجبور کیا اس کی ایک وجہ نئی نسل کی تشنگی دور کرنا و اسلامی معاشرہ کے نمونہ کو پیش کرتا تھا دوسری وجہ مغلوں کی غارت گری۔

جیسا کہ مغربی ثقافت کا حملہ بھی ہے جو ان دنوں بڑی ہی شدت کے ساتھ ہم پر ہو رہا ہے۔ ایسے میں ایمان و جہاد و آزادی کے پیکروں اور بڑے بڑے دانشمندوں کی زندگی و سوانح سے بہتر ان نونہالوں کے لئے کون سا نمونہ عمل ہو سکتا ہے۔

آخر میں مناسب جانتا ہوں کہ پژوہشکدہ باقر العلوم کے ارکان اور کتاب خانہ آیت اللہ نجفی مرعشی و کتابخانہ آیت اللہ حائری کے مامورین کا شکریہ ادا کروں جنھوں نے کتابوں اور مآخذ کی جمع آوری میں حقیر کی مدد کی۔

ولہ الحمد فی الاولی والآخرہ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

عبدالوحید وفائی

فصل اول

ساتویں صدی ہجری کا ایران

سرزمین ایران کے لئے ساتویں صدی بہت سخت و پر آشوب رہی ہے یہ خوازم شاہی حکومت کا زمانہ تھا جب کہ مغلوں کا حملہ ہوا اس ملک پران کا غلہ وقبضہ ہو گیا البتہ اس سے پیشتر ۱۵۰ سال تک سلجوقی حکومت بہرحال امن وسکون کی ضامن رہی لیکن خوارزم شاہیوں (خوارزم میں حکومت کرنے والوں کا لقب خوارزم شاہ تھا اور خورازم کا علاقہ ماوراالنہر اور بحیرہ خوارزم کے شمال میں تھا۔ وہاں کے بزرگوں میں زمخشری ابوریحان بیرونی جمال الدین محمد بن عباس خوارزمی کا نام لیا جاسکتا ہے۔) کی سلطنت اور مغلوں کے حملے سے بدامنی و بے چینی کا دور شروع ہو گیا۔

خوارزم شاہیان نسلاً ترک تھے اور سلجوقیوں کی حکومت کی ایک شاخ جیسے ہے ابتدائی دور میں یہ سلجوقیوں کے تابع وتاج گذار تھے لیکن بعد میں آہستہ آہستہ طاقت ور ہو گئے اور اپنی خود مختار حکومت بنائی۔

سلجوقی سرداروں میں سے بلکا تین ایک شخص انوشتکین نامی غلام کو خریدتا ہے اور انوشتکین اپنی غیر معمولی ذہانت وصلاحیت کے باعث سلجوقی دربار میں معزز ہو جاتا ہے اور اسے ترقی مل جاتی ہے بعد وہ میں بغاوت کا پرچم بلند کر کے خوارزم شاہیوں کی حکومت قائم کر لیتا ہے۔ اس سلسلہ کی بہت سی شاخیں ہیں ان میں اہم ترین لوگ جنھوں نے تاریخ میں حیثیت خاص پیدا

کی اور ایک بڑی حکومت بنا سکے ان کی ابتدا انوشتکین سے ہوتی ہے اور خاتمہ محمد خوارزم شاہ پر (خوارزم شاہیوں کی اس جماعت کلی ترتیب اس طرح ہے انوشتکین پہلا حاکم قطب الدین محمد پسر انوشتکین، آتیز فرزند قطب الدین لب ارسلان، علاء الدین تکش وسلطان محمد خورازم شان فرزند تکش)

سلطان محمد خوارزم شاہ کے غرور کی وجہ سے یہ سلسلہ پائداری و مضبوطی نہیں پیدا کر سکا گو اس نے بہت خون ریزی کی اور متعدد لڑائیاں لڑیں، ماوراء النہر کی سرزمین کو فراختائیوں سے چھینا، غوریوں سے افغانستان اور اتابکان سے اراک، فارس و آذربائیجان لے کر تقریباً پورے ایران کا فرمانروا بن بیٹھا۔

لیکن اس کے عہد میں ملک کے اندر اتحاد و یگانگی برائے نام نہ تھی پھر سلطان محمد کے عباسی خلیفہ سے نامناسب تعلقات، امور ملکی میں سلطان کی والدہ ترکان خاتون اور ترک سرداروں کی مداخلت، ان کی زور زبردستی وانصافی وغیرہ ایسے عوامل تھے جس کی وجہ سے ملک کی حالت ابتر ہو گئی تھی۔ سلطان محمد فتح بغداد کا قصد رکھتا تھا کہ ناگہاں ایران پر مغلوں کے حملے کے خبر آئی جس نے اسے روک دیا اس کتاب کی چوتھی فصل میں ہم مغلوں کے حملے اور اس کے وجوہات کو بیان کریں گے۔

لیکن ان خراب و نامساعد حالات اور اسی ساتویں صدی میں ایک سے ایک عظیم الشان بزرگان دین، دانشمندان، و بڑے بڑے تائفہ جہان افراد کا سرزمین ایران پر ظہور رہا۔ انہوں نے ایجاد واختراع کی دنیا میں ایسی زمین دریافت کی جہاں کسی دانش مند کے قدم نہیں

پہنچے تھے اور ایسی ایسی ایجادات سے لوگوں کو بہرہ ور کیا جہاں اب تک کسی کی رسائی نہیں ہوئی تھی ان بزرگوں نے تاریخ میں انقلاب برپا کر دیا اس عہد کے دانشوروں میں خواجہ حافظ شیرازی، شیخ مصلح الدین سعید، رشید الدین فضل اللہ (جامع التواریخ والے) خواجہ شمس الدین جوینی، عطا ملک جوینی (مصنف تاریخ جہاں کشا، اور فلسفی، ریاضی داں، منجم، متکلم نامی خواجہ نصیر الدین کا نام لیا جا سکتا ہے۔

☆☆☆

فصل دوم

مولد وولادت خواجہ نصیرالدین طوسی

مولد۔طوس۔ایک سے ایک نامی گراں علماء دانش مند و بزرگ ہستیوں کی سرزمین ہے جس میں کا ہر ایرانی ادب، ریاضی، تاریخ،علم،تمدن وتہذیب،ثقافت میں اپنی ایک چمکدار تاریخ رکھتا ہے۔

ماضی میں اسی خاک سے تاریخ ساز اور حکمت وفلسفہ وعملی دنیا کے قدآور افراد جیسے ''جابر بن حیان'' امام محمد غزالی،حکیم ابوالقاسم فردوسی خواجہ نظام الدین الملک وخواجہ نصیرالدین طوسی وغیرہ اٹھے ہیں۔

طوس خراسان کے مضافات میں ہے ج س کا اہم شہر مشہد ہے۔زمانہ قدیم میں طوس کئی شہروں کا مجموعہ تھا جن کے نام نوقان، طابران، رادکان ہیں ان میں اہم شہر طابران (شہر طوس) رہا ہے۔مگر آج کل طابران جو مشہد سے چار فرسخ کی دوسری پر تھا بالکل مٹ گیا ہے چند شکستہ برجیوں کے کچھ نہیں رہ گیا ہے۔

''نوقان'' شہر طابران سے کچھ چھوٹا تھا۔شیعوں کے آٹھویں امام حضرت علی بن موسیٰ الرضاؑ کی قبر اس شہر سے باہر سناباد گاؤں (موجودہ مشہد) میں ہے۔جب امام رضا علیہ السلام کے مشہد میں توسی ہوئی تو وہ سناباد گاؤں سے متصل ہو گیا۔اور مشہد کا ایک محلہ بن گیا سو آج بھی نوقان کا نام محلہ باقی ہے۔(طوس کی توصیف میں خواجہ نصیر کے ایک معاصر شاعر نے کہا جو

حسب ذیل اشعار ہیں)

جبذا آب و خاك جلگه طوس
که شد آرامگه فضل و هنر

معدن و منبع حقیقت و فضل
مرتع و مربع صفا و نظر

آب او چون سپهر مهر نمای
خاك او چون صدف گهر پرور

همچو عه غزالی و نظام الملك
همچو فردوسی و ابو جعفر

وندرین روزگار خواجه نصیر
اعلم عصر مو مقتدای بشر

کزا فاضل زمبداء فطرت

تابا کنون چوا اونخواست دیگر

این خپین بقعه باخپین فضلا

سزدار بر فلك برا ردسر

ولادت

تقریباً آٹھ سو سال پہلے ''جہروذ'' قم ایک روحانی و عالم کنبہ آٹھویں امام حضرت علی رضا علیہ السلام کی زیارت کے لئے مشہد کا قصد کرتا ہے اور واپسی کے وقت اسے خاندان کے بزرگ عالم کی مادر گرامی کی بیماری کے سبب سے شہر طوس کے ایک محلہ میں ٹھہرنا پڑتا ہے تھوڑے دن کے بعد اس عالم روحانی کے اخلاق و سیرت پسندیدہ کو دیکھ کر عوام گرویدہ ہو جاتے ہیں۔اور اس عالم جلیل القدر سے درخواست کرتے ہیں کہ یہ امامت جماعت مسجد کی اور تدریس مدرسہ علمیہ محلہ حسینیہ طوس کو کرلیں اور یہیں قیام فرما ہو جائیں۔

اس بزرگ روحانی کا نام شیخ وجیہ الدین محمد بن حسن تھا آپ کو بزرگان دین سے اجازہ روایت حاصل تھی اور ایک اہم سبب تھا کہ لوگ ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

شیخ وجیہ الدین کے ایک فرزند تھے جن کا نام صادق تھا اور ایک صاحبزادی تھی جن کا نام صدیقہ تھا مگر انہیں ایک اور اولاد نرینہ کا انتظار تھا کیونکہ شیخ کا دل بہت چاہتا تھا کہ ان کے یہاں ایک ایسا فرزند پیدا ہوا جو مشہور علمی گھرانے معروف بہ ''فیروز شاہ جہرودی'' کا نام روشن

کرے اور اسے باقی رکھے۔ کیونکہ ان کے بڑے بیٹے صادق نے درس و تحصیل علم میں دل چسپی ظاہر نہیں کی چنانچہ یہ انتظار زیادہ طولانی نہیں ہوا تھا کہ ایک رات جب شیخ مسجد سے گھر آئے تو انھیں دوسرے بیٹے کی ولادت کی خوش خبری مل گئی ہوا یہ کہ اس رات شیخ بہت مضطرب تھے کہ خدانخواستہ ان کی اہلیہ کو کوئی آزار و ناگواری درپیش نہ ہو جائے اس لئے انہوں نے دعاو مناجات کے بعد قران کریم سے فال نکالی تو یہ آیت مبارکہ نکلی ''محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم'' شیخ وجیہ الدین نے قرآن کریم کی اس آیت کو فال نیک خیال کیا اور مولود جس کے بارے معلوم نہ تھا کہ لڑکی ہے یا لڑکا ''محمد'' نام رکھ دیا جب کہ خود ان کا نام بھی محمد تھا۔

ابھی آفتاب نے سرزمین ایران کو روشن نہیں کیا کہ شیخ کے گھر کے سورج نے بارش انوار کر دی یعنی روز شنبہ ۱۱/ جمادی الثانی ۵۹۷ھ کو بوقت طلوع آفتاب ساتویں صدی کی حکمت و ریاضی کا منورترین چراغ سرزمین طوس پر جلوہ گر ہو گیا۔ جو اس صدی کے ایرانی دانش مندوں وفلاسفہ وسیاست مداروں میں ممتاز ہوا اور سارے عالم میں اس کی شہرت ہوئی۔

اس کا نام ''محمد'' کنیت ''ابوجعفر'' لقب ''نصیرالدین'' محقق طوسی، استادالبشر تھا اور مشہور خواجہ سے ہوا۔(ایران میں خواجہ کہتے تھے دانش مند بزرگ، سرور و مالدار کو جیسے خواجہ حافظ شیرازی، خواجہ عبداللہ انصاری، خواجہ نظام الملک)

مرحوم شیخ عباس قمی ''محدث قمی'' خواجہ نصیر کے بارے میں کتاب مفاتیح الجنان میں لکھتے ہیں:

"نصیر الملته والدین، سلطان الحکماء و المتکلین، فخرالشیعه و حجته الفرخه الناجیه استاد البشر و العقل الحادی عشر (تحفه الاحباب، ص ۴۸۵، محدث قمی)

اکثر مورخین کے مطابق خواجہ نصیر کے اجداد جیسا کہ اشارہ کیا گیا ہے اہل جہرود قم تھے اس طرح خواجہ نصیر کی اصل ارض قم ہے لیکن چونکہ ان کی ولادت طوس میں ہوئی اس لئے طوسی کہلائے اور اسی نام سے شہرت حاصل کرلی۔

محدث قمی کے مطابق خواجہ کے مورث اعلیٰ جہرود (وشارہ کے نام ے مشہور جگہ)قم کے نزدیک (فوائدالرضویہ، ص ۶۰۳، محدث قمی) کے باشندے تھے۔ جہرود کا فاصلہ قم سے دس فرسخ ہے (۲۵) میل، وہ جگہ بہترین آب و ہوا والی ہے اور وہاں ایک قلعہ بھی موجود ہے جو قلعہ خواجہ نصیر کے نام سے مشہور ہے۔

☆☆☆

فصل سوم

زمانہ تحصیل علم و اساتذہ

طوسی، سوس میں

خواجہ نصیر الدین نے اپنا بچپن و نو جوانی طوس میں گزارا۔ انہوں نے ابتدائی اسباق جیسے پڑھنا، لکھنا، قرات قرآن، عربی و فارسی قواعد معانی و بیان اور کچھ علم منقول جیسے حدیث کو اپنے عالم و روحانی باپ محمد بن حسن طوسی سے حاصل کیا ساتھ ہی اس زمانے میں خواجہ نصیر قرآن خوانی و فارسی شناسی میں اپنے والد سے استفادہ کرتے رہتے تھے۔

اتنا کچھ پڑھانے کے بعد باپ نے بیٹے کو منطق، حکمت، ریاضی وطبیعات کے نامور استاد نور الدین علی بن محمد شیعی کے سپرد کر دیا جو خواجہ نصیر کے ماموں بھی تھے۔ کچھ عرصے تک خواجہ طوسی نے ماموں سے درس اس لئے انہوں نے کہا کہ ان کو نیشاپور جانا چاہیے۔

طوسی نے شہر طوس میں اپنے استاد اور باپ کے ماموں "نصیر لیا لیکن بعد میں انہیں ایسا لگا کہ ان کے علم کی پاس ماموں نہیں بجھا سکتے اس لئے اسی اثنا میں وہ اپنے باپ کے مشہور پر ریاضی کے مستند ماہر محمد حاسب سے متوسل ہوئے جو اس وقت طوس آئے ہوئے تھے۔ جن کے چشمہ علوم و دانش سے ان کی روحی و فکری تشنگی ایک حد تک دور بھی ہوئی لیکن کمال الدین محمد حاسب طوس میں چند ماہ ہی رہے۔ اور چلتے چلتے خواجہ نصیر کے والد سے بولے کے جتنا مجھے معلوم تھا میں نے تمہارے بیٹے کو دے دیا مگر اب وہ ایسے سوالات کرتا ہے کہ کبھی کبھی میں

اس کے جواب سے عاجز ہو جاتا ہوں۔

اب محقق طوسی نے طوس میں رہنے کا خیال ترک کر دیا اور اہل علم کی تلاش میں نکل پڑنے کی سوچنے لگے اسی درمیان ان کے والد کے ''نصیرالدین عبداللہ بن حمزہ'' طوس تشریف لائے اور خواجہ نصیر کچھ عرصہ کے لئے ان سے فیض حاصل کرنے کی غرض سے طوس میں ٹھہر گئے۔ لیکن ان کے والد کے ماموں بھی جو علوم حدیث و رجال و درایہ کے ماہر دانشمند تھے خواجہ کی روح تشنگی کو سکون نہ بخش سکے۔

خواجہ نصیرالدین ان نے سے زیادہ نئی باتیں سیکھ لیں۔لیکن خواجہ نصیر کی بے انتہا ذہانت و استعداد نے والد کے ماموں کو حیران کر دیا اور انہوں نے محسوس کیا کہ خواجہ نصیر کا طوس میں رہنا زیادہ فائدہ مند نہیں ہے'' الدین عبداللہ بن حمزہ'' کے ہاتھ سے مقدس روحانی لباس زیب تن کیا اور خواجہ نصیر کو ان کی طرف سے نصیرالدین کا لقب عطا ہوا۔ان کی اور ان کے والد کی تاکید سے خواجہ کی طوس سے ہجرت کے خیال کو تقویت ملی۔

رحلت پدر

کچھ ہی دنوں پہلے خواجہ نصیر نے خوشی خوشی روحانیت کا مقدس لباس زیب تن کیا تھا اور نصیر الدین کا لقب پایا تھا اس کی یاد ابھی محو نہیں ہوئی تھی اور وہ طوس ہی میں تھے کہ اچانک ان کے پدر نامدار بیمار پڑ گئے اور روز بروز ان کی حالت خراب ہونے لگی۔اہل خانہ نے جتنی بھی کوشش دوا و علاج میں کی وہ مفید نہ ہوئی اور آخر کار رجاڑوں کی ایک سر درات میں وجیہ الدین نے اپنے عزیز و اقربا کو پاس بلایا اور ہر ایک کو وصیتیں کر کے ہمیشہ کے لئے سب کو خدا حافظ کہا

اور خواجہ نصیر کی روح کو غم واندوہ سے بھر دیا۔ خواجہ نصیر الدین جو جلد ہی وطن سے ہجرت کے خیال میں تھے اب پہلے سے زیادہ سہارے وامداد کے محتاج ہو گئے لیکن مقدر میں تو یہ تھا کہ ایک طرف باپ کی موت اور دوسری طرف ترک وطن ان کو مضبوط کر کے آئندہ کے سخت حادثات سے مقابلہ کے لئے توانا کر دے۔

انہوں نے خود ان ایام کی یاد میں لکھا ہے:

''میرے باپ جو جہاندیدہ وتجربہ کار تھے انہوں نے مجھے علوم وفنون کی تحصیل اور بزرگان مذاہب کے اقوال ونوشتوں کو سننے و پڑھنے کی ترغیب دلائی یہاں تک کہ افضل الدین کاشی کے شاگردوں میں سے ایک بزرگ کمال الدین محمد حاسب ہمارے شہر میں کچھ دنوں کے لئے آئے جو حکمت وفلسفہ خصوصاً علم ریاضی میں مہارت نامہ رکھتے تھے اگرچہ میرے والد سے ان کی گہری آشنائی نہیں تھی پھر بھی انہوں نے مجھے حکم دیا کہ ان سے استفادہ کرو اور میں ان کی خدمت میں حاضر ہو کر فن ریاضی کی تحصیل میں مشغول ہو گیا۔ پھر وہ حضرت طوس چھوڑ کر چلے گئے اور میرے باپ کی وفات بھی ہو گئی مگر میں نے اپنے باپ کی وصیت کے مطابق مسافرت اختیار کر لی۔ چنانچہ جہاں جہاں کسی فن کے استاد سے ملاقات ہوتی، میں وہیں ٹھہر جاتا اور ان سے استفادہ کرتا تھا مگر چونکہ میرا باطنی رجحان حق وباطل میں تمیز پیدا کرنے کا تھا، اس لئے کلام وحکمت جیسے علوم کی جستجو میں لگ گیا۔''

نیشاپور کو ہجرت

نیشا پور خراسان کے چار بڑے شہروں (مرو، بلخ، ہراشا، نیشاپور) میں سے ایک شہر تھا اور سالہا سال شاہان ظاہریان وغیرہ کا پایہ تخت رہ چکا تھا۔ عرصہ دراز سے علم ودانش کا مرکز تھا اور اپنے دامن میں بہت سے علمائے ایران کی پرورش کر چکا تھا۔ اگر چہ وہ کئی بار حملہ وہجوم کا شکار بھی ہوا خصوصاً قبیلہ ''غز'' جس نے بڑی تباہی مچائی تھی اور شہر کے اکثر مدارس، مساجد، کتاب خانے ویران ہو گئے تھے پھر بھی مغلوں کے حملہ سے قبل تک نیشاپور عملی اہمیت کا حامل تھا مگر اس وحشی نورد قوم کے حملہ سے ویرانہ وکھنڈر میں بدل گیا۔

خواجہ نصیر نے طوس میں مقدمات ومبادیات کی تحصیل کے بعد والد کے ماموں کی نصیحت و باپ کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے تکمیل علم کے لئے جب نیشاپور کا سفر اختیار کیا تو اس وقت ان کے والد کی وفات کو ایک سال گزرا تھا اور نیشا پور کا شمار اس عہد کے مشہور اسلام درسگاہوں میں ہوتا تھا اور شہر اس وقت تک مغلوں کی یلغار کا شکار نہیں ہوا تھا۔

محقق طوسی نے نیشاپور میں اپنی مسلسل کوشش ومحنت جاری رکھی اور والد کے ماموں کی نصیحت کے مطابق مدرسہ سراجیہ نیشاپور میں قیام کیا اور پھر ''سراج الدین قمری'' کی تلاش میں لگ گئے۔

امام سراج الدین ایک مرد فاضل ودیندار تھے۔ انہوں نے نہایت صبر ووقار واحترام کے ساتھ خواجہ نصیر کی احوال پرسی کی، باپ کی وفات پر تعزیت ادا کی اور خواجہ کا تعارف مدرسہ سراجیہ کے متولی مرزا کاظم سے کرایا تا کہ وہ انھیں مدرسہ میں ایک کمرہ رہنے کے لئے دے دیں۔

خواجہ نصیر کے لئے یہ مدرسہ سطح بالا کے کالج جیسا تھا ان کے کمرہ کے ساتھی مدرسہ کے ایک فاضل شمس الدین عبدالحمید ابن عیسیٰ خسروشاہی تھے جو تبریز سے نیشاپور تحصیل علم کی غرض

سے آئے تھے۔

اس مدرسہ میں امام سراج الدین کا علمی پایہ سب سے بلند تھا ان کا شمار افضل ترین استادوں میں ہوتا تھا۔ وہ فقہ و حدیث و رجال کا درس خارج دیتے تھے۔ انہوں نے جب نصیر الدین کے فوق العادہ وغیرہ معمولی ذہن و استعداد کو ملاحظہ کیا تو ان کو اپنے درس میں شرکت کی اجازت دے دی اور خواجہ نصیر تقریباً ایک سال تک امام سراج الدین کے درس میں شریک رہے۔

اس مدرسہ میں ایک اور بزرگ استاد تھے جنہوں نے امام فخر الدین رازی سے درس لیا تھا اور فلسفہ میں تبحر خاص رکھتے تھے وہ چار واسطوں سے ابن سینا کے شاگرد قرار پائے تھے ان کا نام فرید الدین داماد نیشا پوری تھا ان کا شمار اس عہد کے بزرگ ترین استادوں میں ہوتا تھا وہ مدرسہ نظامیہ میں درس دیتے تھے خواجہ نصیر کو موقع مل گیا کہ وہ ان سے ''اشارات ابن سینا'' کا درس لیں۔ مرقوم ہے کہ فرید الدین سرخسی کے شاگرد تھے جو افضل الدین غیلانی کے اور وہ ابو العباس لوکری کے اور وہ بوعلی سینا کے مشہور شاگرد تھے۔ (روضات الجنات، ج۶، ص ۵۸۳ (خوارن ری) قصص العلماء، ص ۳۸۱ (مرزا محمد تنکابنی) مجالس المومنین، ج ۲، ص ۲۰۳ (قاضی نور اللہ شوشتری)

پس جائز و شائستہ یہی ہے کہ ہم خواجہ نصیر الدین طوسی کو بوعلی سینا کے شاگردوں میں شمار کریں۔ استاد و شاگرد میں مذاکرہ و مباحثہ کا سلسلہ بڑھا تو فرید الدین نیشا پوری نے نصیر الدین طوسی کی استعداد علمی و خواہش کسب علم کو دیکھتے ہوئے ان کو ایک دوسرے دانش مند قطب الدین مصری شافعی سے ملایا جو فخر الدین رازی کے شاگرد تھے نہیں بلکہ علم طب کی مشہور کتاب

''قانون ابن سینا'' کے بہترین شارحین میں سے تھے۔

خواجہ نصیر نے جو ابن سینا کی ''اشارت'' فریدالدین سے پڑھ رہے تھے قطب الدین سے قانون ابن سینا کا درس لینا شروع کر دیا۔ الغرض یہ ایرانی عالم دریا کی طرح حرکت و روانی و زندگی سے لبریز تھا اور اسے ایک لمحہ بھی قرار نہ تھا اور جہاں بھی کسی علم وفن کا استاد اسے مل جاتا وہیں اس س سے علم حاصل کرنے میں لگ جاتا۔ طوسی کو نیشاپور میں سب کچھ ملا مگر عرفان و سلوک کی لطافتوں سے بے بہرہ رہے اس لئے وہ اس زمانے کے مشہور عارف شیخ عطار (متوفی ۶۲۷ھ) کی خدمت میں پہنچے اور ان سے استفادہ کیا۔

طوسی شہر رے میں

نیشاپور کے علماء دانش مندوں سے علوم فنون کے حصول کے بعد طوسی زیادہ دن وہاں نہیں رہے۔ انہوں نے سطح بالاتر کے دورہ کو چھوڑ کر شہروں شہروں ملکوں ملکوں پھرنا شروع کر دیا جس کا مقصد نئی بات کا حصول و اس عہدے کے علماء و دانش مندان کا دیدار تھا تا کہ قابل استفادہ شخصیت سے کچھ حاصل کر لیا جائے اس لئے وہ چند مہینے رے میں مقیم رہے اور اس عرصے میں وہ عظیم دانش مند برہان الدین محمد بن محمد بن علی الحمدانی قزوینی سے آشنا ہوئے جنہوں نے رے میں سکونت اختیار کر رکھی تھی۔

طوسی قم میں

محقق طوسی شہر رے سے اصفہان جانا چاہتا تھے اثنائے راہ میں وہ ایک عالم مثیم بن علی بن مثیم بحرانی سے ملے تو انہوں نے خواجہ نصیر کو قم چلنے اور خواجہ ابو السعادت اسعدی بن عبدالقادر بن اسعد اصفہانی کے درس سے استفادہ کا مشورہ دیا۔

مصنف کتاب ''فلاسفہ شیعہ'' نے قم کو ان شہروں میں شمار کیا ہے۔ جہاں خواجہ نصیر نے تعلیم حاصل کی اور خواجہ نصیر کی معین الدین سے شاگردی کے تعلق سے لکھا ہے:

شاید قم میں خواجہ نے معین الدین بن سالم بن بدران مازنی مصری امامی سے بھی استفادہ کیا ہو۔ (فلاسفہ شیعہ، ص ۲۸۲ از شیخ عبداللہ نعمہ (ترجمہ جعفر غضبان)

طوسی اصفہان میں

نصیرالدین نے قم کے بعد اصفہان کا سفر کیا مگر جب وہاں کسی استاد کو نہ پایا جس سے استفادہ کیا جائے تو سفر عراق کا ارادہ کر لیا۔

طوسی عراق میں

خواجہ نصیر نے عراق میں ''علم فقہ'' ابن ادریس حلی و ابن زہرہ حلی کے شاگرد معین الدین بن سلم بن بدران مصری مازنی سے حاصل کیا اور ۶۱۹ ھ میں معین الدین سے اجازہ روایت لینے میں کامیاب ہو گئے۔

محقق طوسی نے عراق میں فقہ علامہ حلی سے سیکھی اور علامہ نے بھی حکمت کی تحصیل خواجہ نصیر

سے کی حوزہ میں یہ روایت وطریقہ اب تک باقی ہے اور استاد وشاگرد ایک دوسرے سی معلومات علمی کا حصول کرتے رہتے ہیں اور نہایت انکساری وتواضع کے ساتھ کسب علم کا عمل جاری رہتا ہے۔

اس کے بعد نصیر الدین موصل میں کمال الدین موصلی کی خدمت میں باریاب ہوئے اور ان سے علم نجوم وریاضی کا حصول کیا۔ اس طرح خواجہ نصیر نے حصول علم کے دوران خود کو فراموش کر دیا اور وطن وخانوادہ سے مدتوں دور رہنے کے بعد ہی خراسان واپسی کا قصد کیا۔

☆☆☆

فصل چہارم

زمانہ آشوب و بلا آغاز فتنہ

جس زمانے میں خواجہ نصیر عراق میں مشغول تحصیل علم تھے قوم مغل کے حملہ کی پراگندہ و ناگوار خبریں ایران سے ان تک پہنچتی رہتی تھیں۔

مغل قوم صحرا نشینوں اور بیاباں گرد قوموں سے بنی تھی۔ جن کی زندگی مویشی پالنے اور شکار کرنے میں گزرتی تھی زیادہ تر خشک بیابانوں میں رہتے تھے اور ابتداء میں شمالی چین کے فرمانروا و باج گزار تھے۔

یہاں تک کہ ان میں سے ایک شخص یسوگای نامی جو چنگیز خان کا باپ اور قبیلہ قیات کا سردار تھا اٹھ کھڑا ہوا اس نے غلامی کا لباس نکال پھینکا اور مغلوں کے للت سے قبائل کو اپنا مطیع کر لیا۔

یسوگای کی موت کے بعد اس کا بڑا بیٹا ''تموچین'' (بمعنی مرد آہنی) جو بعد میں چنگیز خان کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کا جانشین بنا اور تمام قبائل کو اپنی ماتحتی میں لے لیا اور بعد میں قبیلہ ''کبرائیت'' جو عیسائی تھا اس پر بھی غلبہ حاصل کر لیا۔ چنگیز خاں جو گمنامی کے غار سے برآمد ہوا تھا جنوب و مشرق پھر مغرب کی طرف موج عظیم بن کر نازل ہوا ابتدا میں اس نے شمالی مغربی چین پر حملہ کیا اور بعد میں ''کین'' شاہی پھر دریائے زرد کے ساحل اور پیکن کو فتح کیا اس کے بعد لشکر جرار لے کر مغرب کی طرف چل پڑا۔

اس تعلق سے کتاب چنگیز خاں چہرہ خون ریز تاریخ کا مصنف لکھتا ہے۔

مغلوں کا حملہ تاریخ کی عظیم بلا تھی جو وسط اشیاء کے بڑے حصے سے نازل ہوئی اس کے سبب سے نہ صرف یہ کہ ہزاروں بے گناہوں انسانوں کی ہولناک موت اور شہروں و دیہاتوں کی غارت گری و تاریخی و علمی و ثقافتی نشانیوں کی نابودی ہوئی بلکہ وہ دنیا کے اس خطہ میں اہم سیاسی جغرافیائی و سماجی و تمدنی تغیرات کا وسیلہ بن گئی اور اس کا اثر صدیوں تک باقی رہا۔ نہ محض ان تنگ و تاز والے خطوں میں بلکہ دنیا کے ہر حصے میں اب بھی یہ تاریخ حیرت اپنا وجود رکھتی ہے کہ کیسے ایک بے نام و نشان قوم چین کے بلند مقامات کی طرف سے معمولی سازوں کے ساتھ نشیب و فراز کو طے کرتی ہوئی چلی اور ترقی یافتہ و متمدن و منظم ممالک و تہس نہس کر کے رکھ دیا اور سب کو شکست دے کر ایک وسیع و قوی ترین حکومت کی مالک ہو گئی۔

اس صحرا نورد قوم کے اندر کون سے عناصر تھے جس نے چنگیز جیسے افراد پیدا کیا اور انھیں تمام فوجی و سیاسی و جسمانی برتری بخش دی جن کی قوت ناقابل تصور تھی ایسے سنگدل سرداروں کو پال پوس کر دنیا کی اقوام کی جان کے پیچھے لگا دیا یہ عقدہ تاریخ آج تک حل نہیں ہو سکا۔ (چنگیز خاں چہرہ خوں ریز تاریخ، ص ۱۶، ۱۵، محمد احمد پناہی)

مغلوں نے ایران پر کیوں حملہ کیا

جس وقت مغلوں نے چین و وسطی ایشا پر قبضہ کر لیا تو وہ خوارزم شاہیوں کے ہمسایہ ہو گئے۔

انہوں نے باہم اقتصادی و تجارتی روابط قائم کرنے کے لئے مغل تجار کو ماوراء النہرا بھیجا لیکن ایران کی سرحد میں داخل ہوتے ہی ان پر حملہ ہو گیا اور اس طرح یہ واقعہ مغلوں کے لئے ایران پر حملہ کا بہانہ بن گیا۔شروع میں چنگیز خاں ایران پر قبضہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔لیکن سلطان محمد خوارزم شاہ کا غیر عاقلانہ رویہ اور سیاست سے ناواقفیت اس کی موجب بنی اور جو نہ ہونا چاہیے تھا ہو گیا۔

اس قصہ کی تفصیل یہ ہے کہ سلطان محمد خوارزم شاہ اور چنگیز خاں کے درمیان تجارت کا معاہدہ ہو چکا تھا اور قرارداد پر فریقین نے دستخط بھی کر دئے تھے۔اس کے بعد تقریباً پانچ سو مغل تجار نے ماوراء النہر کے ارادہ سے سفر کا آغاز کیا اور اپنے ساتھ گراں قیمت اشیا جیسے سونا، چاندی، ریشم، قیمتی کپڑے لئے ہوئے ''اترار'' پہنچے جو خوارزم شاہی سلطنت کا پہلا شہر تھا۔ یہاں پر اترار کے حاکم غائر خاں کو (جو مادر خوارزم شاہ ''ترکان خاتون'' کا رشتہ دار) لالچ نے آ گھیرا۔ وہ خوارزم شاہ کے پاس پہونچا اور ان تاجروں کو مغلوں کا جاسوس بتایا۔خوارزم شاہ نے غایر خاں کے قول پر اعتماد کرتے ہوئے کہا کہ مغل تاجروں کی نگرانی کرتے رہو۔غایر خاں نے تمام مغلو تاجروں کو بجز ایک نفر کے (جو حمام میں تھا اور بعد میں فرار ہو کر وطن پہنچا) قتل کروا کر ان کے اموال کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔

فراری تاجر چنگیز کے پاس پہنچا اور جو کچھ گذرا تھا بیان کیا۔چنگیز خاں نے تجار کے قتل سے آگاہ ہونے کے بعد ایک آدمی کو جو کبھی سلطان تکش خوارزم شاہ کی خدمت میں رہ چکا تھا دو دیگر تاتاریوں کو سلطان محمد کے پاس بھیجا اور اس فعل پر اعتراض کرتے ہوئے غایر خاں کو

حوالہ کرنے کی کوشش ظاہر کی لیکن سلطان محمد نے اسے قبول نہیں کیا (کیونکہ اس کے زیادہ تر درباری و امراء لشکر غایر خاں کے قبیلے سے تھے) یہی نہیں بلکہ اس نے چنگیز خاں کے فرستادگان کو قتل کر دیا اور اسی طرح وہ مغلوں کے سیلاب کو ایران اور تمام مشرق اسلامی ممالک کی طرف کھینچ لایا۔

یہ حملہ ٦١٦ ھ سے شروع ہوا اور سوائے جنوبی حصے کے ایران کے بیشتر شہر مغلوں کے تصرف میں آ گئے۔

مغلوں کے جرائم کی ایک جھلک

ایران کی تاریخ کے بدترین ادوار میں سے ایک اس سرزمین پر مغلوں کا حملہ و یورش تھی جو ویرانی و تباہی کا سیلاب بن گئی اور اپنے دامن میں بجز ادہان وجادو پرستی و خرافات کے اور کچھ نہیں رکھتی تھی۔

انہوں نے بعض مقامات پر حیوانات کو بھی نہیں چھوڑا ان پر بھی رحم نہیں کیا۔ اترار، بخارا، سمرقند، مرو، نیشاپور، بغداد وہ شہر تھے جہاں پر مغلوں نے اپنے جرائم کی تاریخ مرتب کر دی ہے۔

مورخین لکھتے ہیں:

چنگیز خاں کا بیٹا تولوی ایران کے لئے مامور کیا گیا اس کے لشکر کے سردار کا نام ''تغا جار نویان'' تھا جو چنگیز کا داماد بھی تھا اس نے ماہ رمضان ٦١٧ ھ میں نیشاپور کا محاصرہ کر لیا۔ تیسرے دن محاصرہ شدگان میں سے کسی کے تیر سے ہلاک ہو گیا پھر کیا تھا بالآخر دہم صفر

۶۱۸ ھ کومغلوں نے نیشا پور پر دوبارہ دھاوا بولا اور قتل عام کر کے سب کو مار ڈالا۔
چنگیز خاں کی بیٹی (تغاجار نویان کی بیوی) بھی نیشا پور میں آ گئی اور اس کے حکم سے بچے کھچے افراد بھی قتل کر دئے گئے اس نے حکم دیا کہ شہر کو ایسا تباہ کرو کہ یہاں کھیتی باڑی کی جا سکے۔ یہاں تک کہ بلی، کتے بھی زندہ نہ رہ سکیں۔ نیشا پور کو سات دن تک شبانہ روز پانی میں ڈبائے رہے اس کے بعد پوری بستی میں جو بو دیا گیا۔ (تاریخ مغول، ص ۵۶، عباس اقبال آشتیانی)
ایک شخص بخارا سے اس واقعہ کے بعد فرار کر کے خراسان آیا۔ جب اس سے بخارا کا حال پوچھا گیا تو بولا:
''آئے وکھود ڈالا وجلا دیا، مار ڈالا اور لے دے کر چلے گئے۔'' (جہاں کشائی جوینی، ج ۱، ص ۸۲۔۸۰ نقل از تاریخ مغول، ص ۳۰، عباس اقبال آشتیانی)
ان مغلوں کے طور طریقہ، رسوم و آداب کی تصویر یہ ہے کہ چنگیز خاں کی موت کے دو سال بعد ایک جشن شاہزادگی بر پا کیا گیا جشن کے خاتمہ پر مغلوں کے تمام سردار و فرزندان و اشراف چنگیز خاں کی قبر پر پہنچ گئے ان کے ہمراہ چالیس کم عمر و حسین کنیزیں جو لباس ہائے فاخرہ و قیمتی زیورات سے مزین تھیں۔ کنیزوں کے علاوہ انھوں نے اپنے ساتھ چالیس گھوڑے میں اور ان سب کو اپنے متوفی خاقان کے احترام میں قربان کر دیا۔ (جہاں کشای جوینی، تاریخ مغول، نوشتہ عباس اقبال نقل از کتاب چنگیز خاں چہرہ خون ریز تاریخ، ص ۱۸۸، محمد احمد پناہی)

وطن کو واپسی

جس وقت سرزمین ایران پر مغلوں کا ٹڈی دل قتل و غارت مچائے ہوئے تھے اور ہر روز ایک

نئے شہر نئی بستی پر ٹوٹ پڑتا تھا خواجہ نصیر الدین عراق میں اپنی تعلیم مکمل کرنے میں مشغول تھے اگر چہ مغلوں کے حملے کا حال ان کو ملتا رہتا تھا۔ بعض ایرانی عراق پہونچ کر مغلوں کی خوانخواری و بے رحمی کا چشم دید حال نصیر الدین سے کہتے اور اس کی تفصیل سے آگاہ کرتے ظاہر ہے کہ ایسے حالات کو سن کر ہر مسلمان کا دل تڑپ جاتا تھا۔ چنانچہ اس عظیم دانش مند کا بھی یہی حال ہوا وہ بے حد مضطرب ہو گئے۔ اور وطن واپسی کا پختہ ارادہ کر لیا انھیں یہ برداشت نہ ہوا کہ وہ تو آرام سے رہیں اور ان کے ہم وطن و خاندان والے پر آشوب و بحرانی حالات میں زندگی بسر کریں۔ نیز عراق میں ان کی علم و دانش سے فائدہ اٹھانے والے بہت کم نظر آتے تھے۔

وطن کی واپسی میں طوسی نے درمیان راہ کئی شہروں کا سفر کیا اور دوستوں سے ملاقات کرتے ہوئے نیشار پور پہنچے (نیشا پور اس وقت مغلوں کی گرفت میں تھا مگر ابھی بالکل ویران نہیں ہوا تھا) یہاں پہنچ کر طوسی کو اپنا زمانہ طالب علمی یاد آیا۔ مدرسہ سراجیہ اور مدرسہ کے وسط میں حوض اور دوستوں کے کمرے وغیرہ یکبارگی تمام یادیں ابھر آئیں اور وہ گھبرا گئے کہ آہ کیا یہ وہی مدرسہ ہے؟ یہیں پر نیشا پور تھا اگر تھا تو کیوں خاموش و مبہوت ہے وہ شہر میں کوئی نہیں سوائے جلے ہوئے درختوں اور نیم ویران مکانوں کے طوسی نیشا پور سے طوس (جائے پیدائش) کی طرف چل پڑے طوس کے جس مکان میں وہ پیدا ہوئے تھے اس کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں اور بچپن کی یادانھیں گھیر لیتی ہیں۔ گلیوں میں پھرنا، محلہ کے بچوں کے ساتھ کھیلنا کودنا سب کچھ یاد آجاتا ہے۔ وہ زمانہ جب کہ طوس میں اپنی روحانی و عالم باپ کے ساتھ تھے اور تحصیل علم کا

آغاز کیا تھا اسی طرح کی ہزاروں فکریں وخیال ان کے ذہن میں آتے جاتے ہیں۔
مگر یہ کیا۔ گھر میں کوئی نہیں جو دروازہ کھولے کیا پورا کنبہ مغلوں کے حملہ کا شکار ہو گیا یا شہر چھوڑ کر سب کہیں چلے گئے۔ طوسی کو یہی خیالات ستا رہے تھے کہ ان کا قدیم بزرگ ہمسایہ مرد بزرگ و پیر ملتا ہے اور اصل کیفیت سے مطلع کرتا ہے۔ طوسی اپنے کنبہ سے ملاقات کے لئے شہر قائن پہنچتے ہیں اور وہاں اپنی ماں و بہن کو موجود پاتے ہیں ایک مدت قائن میں بسر کرتے ہیں اور اہل شہر کے اصرار پر امام جماعت مسجد ہو کر لوگوں کو مسائل دینی سے آگاہ کرتے ہیں اور قوم مغل کے احوال کو معلوم کرنے کی جستجو وکوشش کرتے رہے۔

قائن میں شادی

نصیرالدین جواب ایک دانش مند کامل اور مستند عالم و اہل فضل ہیں قائن کے عوام میں خاص احترام کر چکے ہیں ان کی سیرت و کردار ورفتار لوگوں کے لئے نمونہ عمل بن گئی ہے۔ تنہا زندگی بسر کرنے میں دشواری محسوس کرتے ہیں اور فخر الدین نقاش کے مشورہ وتشویق (جو ایک علم دوست وعلماء سے محبت رکھنے والے بزرگ تھے اور اس زمانے میں خواجہ نصیر کی ماں و بہن فخر الدین کی بیٹی ہی کے مکان میں رہتی تھیں) اور ماں کی رضا مندی سے ۶۲۸ ہجری میں فخر الدین نقاش کی بیٹی ''نرگس خانم'' کو اپنا شریک حیات بنا لیتے ہیں۔

☆☆☆

فصل پنجم

زمانہ کارو خدمات اسماعیلیوں کے قلعے

آج سے ۵۳۳ سال پہلے حسن بن صباح نے مذہب اسماعیلیہ کی ایران میں بنیاد رکھی (یہ فرقہ شیعوں میں سے نکلا تھا جو امامت حضرت علی علیہ السلام سے امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد ان کے فرزند ''اسماعیل'' کو ان کا جانشین مانتا تھا۔

لیکن اس فرقہ کی کارکردگی ایران میں صباح کے ہاتھوں شروع ہوئی جو ابتداء میں بظاہر مذہب اسماعیلیہ پر نہیں تھا مگر بعد میں سیاسی اسباب و مسائل کے باعث اس نے اس فرقہ کو اپنا لیا۔

ایک ہی مدرسہ کے تین دوستوں اور ساتھیوں کی حکایت مشہور ہے اور وہ تین یار تھے عمر خیام، خواجہ نظام الملک و حسن بن صباح یہ تینوں نیشاپور کی طالب علمی کے زمانے میں باہم دوست تھے اور اسی وقت عہد کر لیا تھا کہ جو بھی بلند مقام و عہدہ پر پہنچے وہ دوسروں کی مدد کرے اور ان کا خیال رکھے۔ ان تینوں میں پہلے خواجہ نظام الملک سلجوقیوں کا وزیر بنا۔

اس نے عمر خیام کو نیشاپور کا حاکم بنانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ لیکن خیام نے یہ عہدہ قبول نہ کیا۔ بلکہ دنیا داری سے بے اعتنائی ظاہر کی حسن بن صباح کو رے یا اصفہان کی گورنری پیش کی تو اس نے انکار کیا مگر اس کا سبب بے اعتنائی دنیا نہیں بلکہ لمبی امیدیں اور اونے مقام و مرتبہ کی خواہش تھی وہ چاہتا تھا کہ وزارت میں خواجہ نظام الملک کا شریک ہو اور تھوڑے عرصے تک اس منصب پر رہا بھی مگر بعد میں زیادہ کی ہوس نے اس میں انتقام جوئی کا جذبہ پیدا کر

دیا اور وہ اپنے دوست (خواجہ نظام الملک) سے انتقام لینے کی فکر میں پڑ گیا اس مقصد کے لئے اس نے مصر کے فاطمین سے مدد طلب کی جو اسماعیلی مذہب رکھتے تھے اور سلجوقیان جو سنی مذہب تھے ان سے جنگ کے لئے قلعہ الموت کو اپنا اڈہ وٹھکانہ بنالیا۔

قلعہ الموت کا فاصلہ قزوین سے تقریباً چھ فرسخ ہے اس کی حیثیت اسماعیلیہ کے پایہ تخت کی تھی اور لگ بھگ اس علاقہ میں پچاس مستحکم تھے جن پر اسماعیلیوں کے قبضہ وتصرف حاصل کرلیا تھا جس میں مشہورترین ''قلعہ الموت''،''میمونہ دژ'' و''لنبہ سر'' تھے۔

مرقوم ہے کہ الموت کے علاوہ اسماعیلیان ولایت قومس (سمنان و دامغان) وقہستان (جنوب خراسان جو قائن، فردوس وطبس وسچستان پر مشتمل ہے۔) میں بھی متعدد مضبوط قلعے رکھتے تھے جن کی مجموعی تعداد ایک سو پچاس تک تھی اور ایک ایک آدمی اس قلعہ کے انتظام کے لئے مقرر تھا جسے محتشم بھی کہتے ہیں اور ان محتشموں کے لئے پابندی تھی کہ حکومت کی مدت میں بیوی نہیں رکھ سکتے تھے۔(کتاب تاریخ مغول، ص ۴۔ ۱۲، عباس اقبال)۔

یہ قلعے ان اسماعیلی جنگجویون کے لئے جائے امن و پناہ تھے جن پر حکومت سلجوقیان دیگر حکومتوں کا بس نہیں چلا اور کوئی ان کو کچل نہیں سکا یہاں تک کہ مغلوں کے بھی کئی حملے اور یورشیں بااثر ثابت نہیں ہوئیں آخر ۶۵۴ ہجری میں ہلاکو خاں مغل عزمان خورشاہ اور ہلاکو خاں کے ہاتھوں میں قلعہ کی فتح (۶۵۴ھ) تک اسماعیلیوں نے وہاں (۱۷۱سال) اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں۔(اس ۱۷۱سال کی مدت میں اسماعیلیوں کے ساتھ بادشاہوں نے حکومت کی جن کے نام یوں ہیں حسن بن صباح، کیا بزرگ امید، اس کا بیٹا محمد، اس کا محمد کا بیٹا

محمد دوم، محمد جلال الدین علاء الدین محمد سوم، رکن الدین خورشاہ، (لٹ نامہ وہنجدا)

طوسی قلعہ قہستان میں

خواجہ نصیر کے چند ماہ تک قائن رہنے اور شادی کے بعد قہستان کے ''محتشم'' ناصر الدین عبدالرحیم بن ابی منصور (جومرد فاضل وکریم، فلسفہ دوست اور فلسفہ کی عربی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ چاہتا تھا) نے انھیں بلا بھیجا ان کی بیوی راضی ہوگئیں اور دونوں نے اسماعیلیوں کے قلعے کی راہ لی۔ اس زمانے میں ایک کے بعد دوسرے شہر مغلوں کے حملے سے سقوط کر رہے تھے تو بہترین ومحکم ترین جگہ اسماعیلیوں کے قلعے ہی تھے کیونکہ مغلوں سے مقابلہ اسماعیلیوں اوران کی مضبوط قلعوں ہی سے ممکن تھا دوسرا کوئی انس کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔

خواجہ نصیر جس زمانے میں قلعہ قہستان میں رہتے تھے بڑے احترام کی زندگی بسر کرتے تھے اور وہ شہر قائن میں آمدورفت کے لئے آزاد تھے۔ اسی زمانہ میں انہوں نے اپنے میزبان (ناصرالدین) کی فرمائش پر ''طہارۃ الاعراق'' ابن مسکوریہ کو عربی سے فارسی میں ترجمہ کر کے میزبان کے نام پر اسے ''اخلاق ناصری'' سے موسوم کیا۔

اوراس کے بیٹے معین الدین بن ناصرالدین کے لئے علم ہیئت کا ''رسالہ معینیہ'' لکھا اوراس رسالہ کا نام اس کے نام پر رکھا۔

سیاست میں داخلہ

اول تو نصیرالدین کا مذہب اسماعیلیوں سے میل نہیں رکھتا تھا دوسرے یہ کہ اسماعیلیہ عام لوگوں پر جو ظلم وستم ڈھاتے تھے اس نے ان کو اسماعیلیہ سے دل برداشتہ کیا تھا۔ اس لئے انہوں نے بہتر جانا کہ بغداد کے عباسی خلیفہ سے مدد طلب کرلیں لہٰذا انہوں نے خلیفہ کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا اور اسے ایک شخص کے توسط سے بغداد بھیج دیا عباسی خلیفہ کا وزیر ''ابن علمقی'' جس نے خواجہ نصیر کے فضل وکمال کا شہرہ سن رکھا تھا اس واقعہ سے خوفزدہ ہوگیا اور سوچنے لگا کہ ہو سکتا ہے کہ خواجہ نصیر کی دانش وعلم سے خلیفہ متاثر ہوجائے اور میرا مرتبہ ومنزلت کم ہوجائے اس لئے اس نے اسماعیلی بادشاہ کے وزیر (ناصرالدین محتشم قہستانی) کو مخفیانہ طور پر ایک خط لکھ کر تمام ماجرا کہہ سنایا۔ ناصرالدین محتشم کو جیسے ہی یہ خبر ملی، اس نے خواجہ نصیرالدین طوسی کو جو اس وقت نیشاپور میں تھے گرفتار کرا کے اپنے پاس بلوالیا۔ خواجہ نصیر جواب تک اسماعیلیہ قلعوں میں عزت واحترام کے ساتھ آزادانہ آمدورفت کرتے تھے اب ایک قیدی کی صورت میں نظر بندی کی حیثیت سے زندگی گزارنے پر مجبور ہوگئے۔

طوسی، قلعہ الموت، میمون دژ میں

خواجہ نصیر اپنے پہلے سیاسی اقدام میں شکست کھا گئے اور اگر ان کی عقل مندی وہوش مندی نہ ہوتی تو ان کی جان چلی جاتی۔ انھیں قزوین کے قلعہ میں ''علاءالدین محمد'' کے پاس لے گئے اور اس کے حکم سے خواجہ نصیر کو وہیں پر رہنا پڑا اس زمانے میں تمام اسماعیلی قلعوں کا حاکم علاء الدین محمد تھا۔ لیکن وہ ظلم وتعدی قتل عام، بے انتہا شراب خوری، مالیخولیا کے مرض اور حکومت

اسماعیل کو کمزور کرنے کے الزام کی وجہ سے انجام کار اپنے بیٹے خورشاہ کی مرضی سے اپنے ہی ایک طرفدار (حسن مازندرانی) کے ہاتھوں قتل کر دیا گیا۔اس کا بیٹا اس کا جانشین بن کر تخت نشین ہوا۔اس نے خواجہ نصیر کے علم وفضل کی تعریف سن رکھی تھی لہٰذا اس نے انھیں اپنے پاس میمون دژ بلا لیا۔

خواجہ نصیر نے تقریباً ۲۶ سال اسماعیلیہ قلعوں میں گزارے اور یہ پوری مدت انہوں نے متعدد کتابوں کی تالیف وتحریر میں صرف کی جن میں شرح اشارات ابن سینا، اخلاق ناصری، رسالہ معینیہ، مطلوب المومنین، روضۃ القلوب، رسالہ تولا وتبرا، تحریر مجسطی، تحریر اقلیدس روضۃ التسلیم، خصوصیت سے لائق ذکر ہیں۔اس عرصہ میں انہوں نے اسماعیل کے کتاب خانہ سے استفادہ کیا اور اپنی بے پناہ فکری قوت وعلم ودانش وکمال کے باعث مشہور و بلند مرتبہ قرار پائے۔

بعض مورخین کا خیال ہے کہ محقق طوسی اپنی مرضی سے اسماعیلیوں کے پاس نہیں گئے تھے انہوں نے کتاب شرح اشارات کے آخری میں اس طرح اشارہ کیا ہے اور اپنی ناگواری و مجبوری کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''میں اس کتاب کا بیشتر حصہ ایسے برے حالات میں لکھا ہے جس سے بدتر وسخت تر وضع زندگی ممکن نہیں ہے۔کتاب کا بڑا حصہ میں نے انتشار و پریشانی فکر میں تحریر کیا ہے اس وقت کا ہر لمحہ میرے لئے عذاب دردناک ورنج سے پر تھا اور حسرت واندوہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ کوئی وقت ایسا نہ تھا کہ میری آنکھ تر اور دل پریشان نہ ہو۔کوئی لمحہ ایسا نہ تھا کہ میرا غم فزوں تر

اور سوز دل دوبالا نہ ہوتا کسی فارسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

بگردا گرد خودچندانکه بینم
بلاآنگشتری ومن نگینم

معلوم نہیں کہ میری زندگی کا کوئی حصہ حادثات سے خالی کیوں نہیں ہے اور کیوں مجھے دائمی حسرت وندامت کا سامنا ہے اور غم کے لشکر کے درمیان میری زندگی گزر رہی ہے۔ خدایا بحق رسول بزرگ و وصی پسندیدہ مجھے اس طوفان مصیبت و امواج بلا سے نجات دے تیرے رسول اور اس کے وصی اور اہل بیت پر درود۔ میں جن مشکلات میں پھنسا ہوا ہوں اس سے خلاصی عنایت فرما۔ تو ارحم الراحمین ہے اور تیرے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔

(رقمت اکثر ھا فی حال صعب لا یمکن اصعب منھا حال و رسمت اغلبھا فی مدۃ کدورۃ بال لا یوجد اکدر منہ بال بل فی ازمنتہ یکون کل جزء منھا ظرفا لغصتہ و عذاب الیم وندامتہ و حسرۃ عظیم وامکنتہ توقد کل آن فیھا زبانیتہ نار جحیم و یصب من فوقھا حمیم ماضی وقت لیس عینی فیہ مقطر اولا بالی مکدر اولم یحجی حین لم یزدالی ولم یضاعف ھمی وغمی نعم ماقال الشاعر بالفارسیتہ:

بگردا گرد خودچندانکه بینم

بلا آنگشتری و من نگینم

ومالی لیس فی امتداد حیوتی زمان لیس مملوا بالحوادث المستلزمه للنداٸمته الداٸمته والحسرة الابدیه وکان استمرار عیشی امین جیوشه امین جیوشه غموم و عساکره هموم، اللھم نجنی من تزاحم افواج البلاء و تراکم امواج العنا بحق رسولك المجتبیٰ ووصیه المرتضیٰ صلی اللہ علیھما وآله وفرج عنی ما انا فیه بحق لا اله الا انت وانت ارحم الراحمین۔

شرح اشارات، ج ۲، ص ۱۴۶ نقل از فلاسفہ شیعہ، ص ۲۵۸، شیخ عبداللہ نعمہ

اسماعیلی قلعوں سے خواجہ طوسی کی رہائی

مغلوں نے بہت سے اسلامی ممالک کو اپنا مطیع بنالیا تھا مگر مغربی ایشیا کے ایک حصہ میں بھی اب اسلام ان سی مغلوب نہیں ہوا تھا ایسا ہونا ہی چاہیے تھا کیونکہ قہستان، دریائے الموت، البرز پہاڑ کے جنوبی دروں میں اسماعیلی فدائیان مستحکم قلعے رکھتے تھے اور دوسری طرف بغداد میں بنی عباس کے نام کی خلافت بھی قائم تھی، مصر وشام ایوبی سلاطین کے قبضہ میں تھا اور ابھی تک مغلوں کو ان پر تسلط کا موقع نہیں ملا تھا۔

اسماعیلی تمام مسلمانوں سے دشمنی رکھتے تھے اور جو بھی قدرت و طاقت حاصل کر لیتا اسے وہ اپنے فدائیوں کے وسیلہ سے ختم کر دیتے تھے دوسری جانب ایوبی امرا میں باہمی اختلاف تھا

ایشیائے کوچک کے سلجوقی سلاطین اور الجزیرہ کے حکام میں ٹھنی رہتی تھی وغیرہ۔
مغل ان حالات سے باخبر تھے۔ لہٰذا پہلے ان کی کوشش یہ رہی کہ اسماعیلیان کو باہر نکالیں اور بنی عباس کا خاتمہ کر دیں اسلامی ممالک کے اندرونی حالات نے مغلوں کے اس خیال کو تقویت بخشی اسماعیلیوں کے ظلم و جور سے مسلمانوں کی جان پر بنی ہوئی تھی۔ قہستان وقزوین میں کوئی دن ایسا نہیں گزرتا تھا کہ مسلمانوں کی کوئی جماعت اذیت و مصائب کا شکار نہ ہو یا قتل نہ کر دی جائے۔ اسماعیلیوں کا ظلم اور شورش میں اپنی شدت پیدا ہوگئ جو ہر شخص کے لئے نا قابل تحمل برداشت تھی۔ یہاں تک کہ قزوین کے محبوب عالم ''قاضی شمس الدین قزوینی'' کئی بار ''منکوقا آن'' کے پاس حاضر ہوئے اور اس سے اسماعیلیہ کی شکایت کر کے مدد کے طالب ہوئے۔ (برداشت از تاریخ مغول، ص ۴۔ ۱۷۰ عباس اقبال آشتیانی)
آخر کار وہ وقت آ گیا کہ مغلوں کے بادشاہ وچنگیز کے پوتے ''منکوقا آن'' نے اپنے چھوٹے بھائی ''ہلاکو خاں'' (جو اس وقت ۳۶ سال کا تھا) کو اسماعیلی قلعوں کی سرکوبی کے لئے مامور کر دیا۔
ہلاکو خاں نے ۶۵۱ ھ میں اپنے ایک ہم مذہب عیسائی امیر ''کیتوبوقا'' کو بارہ ہزار فوجیوں کے ساتھ قہستان دریائے کرد کی طرف روانہ کیا اور خود ۶۵۳ ھ میں سمرقند آیا طوس پہنچنے کے بعد اس نے ہرات کے حاکم ''ملک شمس الدین کرت'' کو قہستان کے محتشم ناصر الدین کے پاس بھیجا اور اسے اپنی اطاعت قبول کرنے کا حکم دیا۔ اس وقت تک ناصر الدین پیر وضعیف ہو چکا تھا وہ ہلاکو سامنے آیا اور سر جھکا دیا ہلاکو نے بھی اس کا احترام کرتے ہوئے اسے شہر

''تون (اب شہر تون کا نام فردوس ہو گیا اور شہر صوبہ خراسان کی جنوبی حصے میں ہے۔)'' کی حکومت دے دی۔

ناصر الدین محتشم قہستان کی خود حوالگی عملی طور پر اسماعیلیہ کے محاذ کی شکست ثابت ہوئی اور مغلوں نے اس کے بعد یکے بعد دیگرے قلعوں کو تسخیر کر لیا۔ خواجہ نصیر کو تمام خبریں ملتی رہیں انہوں نے گمان کیا کہ ہلاکو خون ریزی پسند نہیں کیونکہ اس نے ناصر الدین محتشم کو دوسری جگہ کی حکومت دے دی اور قہستان کے لوگوں کا قتل عام بھی نہیں کیا۔

ہلاکو خاں نے بعد میں ''خورشاہ'' کے پاس اس نے دو نمائندے بھیجے اور اس کو اپنی اطاعت کی طرف بلایا۔ خورشاہ نے خواجہ نصیر کی مشورت وصلاح سے اس کی اطاعت قبول کر لی اور ایک سال کی مہلت مانگی۔

بادشاہ اسماعیلیان ''خورشاہ'' اور مغلوں کے فرستادگان میں دو مہینے تک چند مرحلوں میں مذاکرہ چلتا رہا سرانجام کار خورشاہ نے اپنے چھوٹے بھائی کو خواجہ نصیر الدین طوسی کے ساتھ ہلاکو خاں کے پاس بھیج دیا اور خود اول ذی قعدہ ۶۵۴ھ بروز یک شنبہ قلعہ سے نکل کر نیچے آیا اور اس طرح ایران میں حکومتی اسماعیلیان کا خاتمہ ہوا اور تاریخ میں اسماعیلیان کا نام کے سوا اور کچھ باقی نہ رہا۔ اس موقع پر خواجہ نصیر نے چند اشعار بھی کہے ہیں:

سال عرب چون شش صد و پنجاہ چار شد
یکشنبہ اول مہ ذی قعدہ بامداد

خورشان پادشاہ اسماعیلیان ز تخت
برخاست پیش ہلاکو بایستاد

عربی سال ۶۵۴ھ یک شنبہ اول ذی قعدہ کی صبح تھی جب اسماعیلیوں کا بادشاہ خورشاہ تخت سے اٹھا اور ہلاکو کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔
اس بارے میں ایک دوسرے شاعر نے بھی کہا ہے:

ھماں روز خورشاہ فرزند را
بزرگان و خویشان و پیوند را
بہ در گہ فرستاد و در روز دگر
خود آمد بر شاہ پیروز گر
حکیمان عالم اصیل و نصیر
طبیبان عصر و موید وزیر
از آن قلعہ با او فرود آمدند
چو باران بر ژرف رود آمدند

خورشاہ نے اسی دن اپنے فرزند و اعزا و اقربا کو ہلاکو کے پاس بھیج دیا اور خود دوسرے دن فاتح

بادشاہ کے پاس پہنچا پھر اس قلعہ سے حکیم و دانش مند و طبیب و وزیر و مددگار سب اس طرح زمین پر اتر آئے جیسے دریا میں بارش آئی ہو۔ فعل سردار ہلاکو خاں نے خواجہ نصیر الدین اور رئیس الدولہ کے فرزند کو جو بزرگ حکماء و اطباء میں سے تھے اور خورشاہ کی تسلیم و سپردگی کا ذریعہ بنے تھے قتل عام و کشت و کشاد کو رکوا دیا تھا۔ اپنے ساتھ بڑے احترام سے لایا اور ان سے بہت خوش ہوا۔ (جامع التواریخ، ج ۲، ص ۶۹۵ رشید الدین فضل اللہ، تاریخ مغول، ص ۴، ۱۷۳ ۴ عباس اقبال سرگزشت و عقائد فلسفی خواجہ نصیر الدین طوسی، ص ۵۰، محمد مدرسی زنجانی۔)

فتح بغداد

اسماعیلیوں کے قلعوں کو ختم کرنے کے بعد ہلاکو خاں نے بغداد پر حملہ کی تیاری شروع کردی اور اپنی حکومت کے سربراہ و لشکر کے سرداروں سے مشورہ کر کے ان کے خیالات معلوم کئے چونکہ اس کا عقیدہ علم نجوم پر بہت زیادہ تھا اور اس کے بڑے بھائی منکوقا آن نے بھی تاکید کر رکھی تھی کہ ''حسام الدین منجم'' کو اپنے ساتھ رکھے لہٰذا ہلاکو نے حام الدین منجم سے بڑداد پر حملہ کے تعلق سے رائے مانگی۔ حام الدین جو خلیفہ عباسی کا خیر خواہ تھا جواب میں بولا۔ خاندان خلافت کی بردباری کا ارادہ اور بغداد پر چڑھائی مبارک نہیں ہوگی کیونکہ قدیم الایام سے ایسا ہے کہ جس بادشاہ نے عیسائیوں کی طرف رخ کیا ان کا ملک بھی چلا گیا اور عمر نے بھی وفائی نہیں کہ اگر بادشاہ نے میرے بات نہ مانی اور بغداد کا ارادہ کیا تو چھ خرابیاں و مصائب پیش

آئیں گے اول یہ کہ تمام گھوڑے مر جائیں گے اور فوجی بیمار پڑ جائیں گے۔ دوم سورج نہیں نکلے گا۔ سوم بارش نہیں ہوگی۔ چہارم تیز آندھی آئے گی اور زلزلہ سے دنیا میں تباہی مچ جائے گی پنجم زمین سے کچھ آگے گا نہیں۔ ششم اسی سال بادشاہ فوت ہو جائے گا۔ جب ہلاکو نے ان حوادث کا سبب پوچھا تو حسام الدین نے جواب نہ دے سکا۔ تب ہلاکو نے خواجہ نصیر کو بلایا اور ان سے مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا حسام الدین کی بتائی ہوئی ایک مصیبت بھی نہیں آئے گی ہلاکو نے حسام الدین کو طلب کیا تا کہ خواجہ نصیر سے بحث کرے۔

نصیر الدین نے کہا تمام اہل اسلام متفق ہیں کہ بہت سے بزرگ اصحاب شہید ہوئے مگر کچھ بھی گڑ بڑ نہیں ہوئی اگر تم کہو کہ یہ عباسیوں کی تاثیر و خاصیت ہے تو اس کو جواب یہ ہے کہ مامون رشید کے حکم سے طاہر خراسان سے چل کر بغداد آیا اور اس کے بھائی محمد امین کو مار بڑالا۔ اس کے بعد متوکل اپنے بیٹے اور امراء کے ہاتھوں قتل ہوا۔ منتصر و معتز کو ان کے غلاموں نے قتل کیا۔ اسی طرح دوسرے کئی خلیفہ قتل کئے گئے مگر دنیا میں کوئی خلل واقع نہیں ہوا۔ (از کتاب سرگذشت و عقائد فلسفی خواجہ نصیر، ص ۵۲، محمد مدرس زنجانی (معمولی تبدیلی کے ساتھ)

بہر حال ہلاکو نے بغداد پر حملہ کرنے کی ٹھان لی اور مستعصم خلیفہ کے پاس اپنا سفیر بھیجا اور چاہا کہ خلیفہ ہلاکو کے دربار میں حاضر ہو کر ایلخانی بادشاہ کی اطاعت کا اقرار و اظہار معذرت کرے لیکن جب خلیفہ نے اسے منظور نہیں کیا تو ہلاکو نے ہمدان کی طرف سے چڑھائی کی اور بغداد کا محاصرہ کر لیا۔ خلیفہ عباسی کے پاس سوائے اس کے کوئی راستہ نہ رہا کہ وہ بغداد کے

قاضیوں، سادات بنی عباس اور اپنے بیٹوں ابوبکر و احمد کے ساتھ شہر بغداد کے باہر آئے اور سر جھکا دئے۔

پھر ہلاکو خاں نے خلیفہ کے قتل کے بارے میں مشورہ کیا تو اکثر بڑے بوڑھوں نے کہا کہ بہتر یہی ہے کہ خلیفہ کو قتل کر دیا جائے تا کہ لوگوں کو امان مل جائے مگر حسام الدین منجم جس کی بات مغلوں کی یہاں محترم تھی بولا ''اگر خلیفہ قتل کیا گیا تو اسی وقت زمین پھٹ جائے گی آسمان زمین پر ٹوٹ پڑے گا اور عذاب ہی عذاب کا نزول ہوگا۔''

ہلاکو جو علم نجوم اور منجموں کی پیشین گوئی کا سخت معتقد تھا حسام الدین کی باتیں سن کر ڈر گیا اور ارادہ بدلنے کے لئے سوچنے لگا اس لئے پھر خواجہ نصیر سے مشورہ کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ابتدائے آفرینش عالم سے اب تک لوگوں نے ہزاروں بے گناہ افراد مثل یحییٰ حضرت زکریا، اولاد پیغمبر وغیرہم کو قتل کیا مگر ان حوادث میں سے کوئی ایک بھی واقع نہیں ہوا تو پھر کیا ہو گا؟ ہاں اگر بادشاہ کو زمین پر خلیفہ کا خون بہانے میں تردد ہے تو اس سے بچنے کا مناسب طریقہ یہ ہے کہ خلیفہ کو کمبل میں لپیٹ کر آہستہ آہستہ اس کو گھونسے، لات سے ادھ مرا کیا جائے اگر آسمان تاریک ہونے لگے یا طوفان آجائے یا زمین ہلنے لگے تو وہی پر ہاتھ روک لیا جائے اور اگر کچھ نہ ہوا تو پھر آپ آسودہ مطمئن ہو جائیں۔ ہلاکو نے اس رائے کو پسند کیا اور اسی طرے سے معتصم کو قتل کیا گیا اور دنیا میں کوئی انقلاب نہیں ہوا۔ (با استفادہ از قصص العلماء، ص ۳۸۰، مرحوم تنکابنی۔ ''حبیب السیر کی کتاب سے نقل کیا''

اور پھر چہارم صرف ۶۵۶ ھ کو بغداد مغلوں کے ہاتھوں فتح ہو گیا۔

خواجہ نصیر نے اس موقع پر شعر نظم کئے:

سال هجرت شش صد و پنجاه و شش
روز یکشنبه چهارم از صفر
چون خلیفه نزد هلاکو رسید
دولت عباسیان آمد بسر

ایک بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ مغربی ایشیا میں مغلوں کی لشکرکشی کا ایک عامل و مددگار ارمنوں کی چال بھی ہے۔ مغلوں نے جیسے ہی قوت و طاقت حاصل کی وہ بغداد کو فتح کرنے کی سوچنے لگے کیونکہ اس وقت بغداد مسلمانوں کے خلیفہ کا مرکز و مستقر تھا اور خصوصی اہمیت کا حامل تھا اور اس پر کئی بار حملے ہوئے جو نتیجہ خیز نہیں رہے یہاں تک کہ منکوقا آن کے عہد سلطنت میں باہمی نااتفاقی و فوجی کمزوری بہت بڑھ گئی تھی یہ واقعہ ناگوار ظہور میں آیا۔ ایک طرف مصر و شام کے مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان صلیبی جنگ چل رہی تھی دوسری طرف آرمینیہ کے بادشاہ نے منکوقا آن سے اتحاد و دوستی کا عہدہ و پیمان کرلیا۔ یہ دونوں چیزیں اس کا باعث ہوئی کہ منکوقا آن کا بھائی ہلاکو ایران کے اسماعیلیوں اور بغداد و مصر و شام کی فتح کے لئے چل پڑے۔

(یہ دیکھتے ہوئے کہ ہلاکو کی ماں ''سری قوی تی'' (سوگلی) اور اس کا شوہر ''دوقوز خاتون'' عیسائی مذہب رکھتے تھے اور اس کے پیشتر فوجی مغل اور عیسائی تھے)

اس بنا پر فتح بغداد میں دو عوامل بڑے تھے ایک تو ہلاکو کے لئے منکوقا آن کا حکم دوسرے بنیادی طور پر اہم عامل جس نے اس واقعہ کو ظہور پذیر کیا وہ عباسی خلیفہ کی سستی و بے تدبیری تھی جس نے مغلوں کو لالچ میں ڈال دیا اور انہوں نے اپنا لشکر جرار بغداد کی طرف روانہ کر دیا۔

عباسی خلفاء جنہوں نے ۵۲۴ سال تک حکومت کی اور اتنی طویل مدت ہی ان کے مکر وفریب وحیلہ کو ظاہر کرتی ہے جس کی بدولت وہ مسلسل اتنے دنوں تک سلطنت کو چلاتے رہے۔ اس خاندان وسلسلہ (خلفاء بنی عباس نے خلافت بنی امیہ سے چھینی اور ۱۳۲ھ سے سے ۶۵۶ھ تک خلافت کرتے رہے ان کا دارالخلافہ شروع میں ''انبار'' پھر ''کوفہ'' اور بعد میں بغداد رہا ہے۔ ان خلفا کی تعداد ۳۷ تھی۔ پہلا خلیفہ تھا ابوالعباس سفاح اور آخری مستعصم باللہ کے نام سے مشہور تھا ان کی ترتیب یوں ہے (منصور، مہدی، ہادی، ہارون، رشید امین، مامون، معتصم، واثق، متوکل، منتصر، متعین، معتز، مہتدی، معتم، معتضد، مکتفی، مقتدر، قاہر، راضی، متقی، مستکفی، مطیع، طایع، قادر، قائم، مقتدی، مستظہر، مسترشد، مقتفی، مستنجد، مستضی، ناصر، ظاہر، مستنصر، مستعصم، لغت نامہ وہنجدا۔) کے خلفائے نے اپنا زیادہ وقت تن پروری میں کاٹا اور مسلمانوں کے لئے کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا۔

اس سلسلہ کا آخری خلیفہ مستعصم عباسی بھی اپنے عادات واخلاق کے لحاظ سے قابل تعریف نہ تھا خون ریزی ولہو ولعب کے سوا اس نے بھی مسلمانوں کے لئے کچھ کیا نہیں۔ بلکہ اس کے بیٹے ''ابوبکر'' کے ہاتھوں بغداد کے تھوڑے شیعہ بری طرح قتل کئے گئے اور ان کا فال و

اسباب لوٹ لیا گیا محدث قمی لکھتے ہیں:
جب تخت سلطنت پر آخری خلیفہ عباسی مستعصم بیٹھا تو ملک اپنے وزیر موید الدین علمقی قمی کو سونپ دیا اور خود کبوتر بازی ولہولعب وعیاشی ولذت اندوزی میں ڈوب گیا انہی ایام میں مستعصم کے فرزند ابو بکر نے محلہ ''کرخ بغداد'' پر جو شیعوں کا مسکن تھا، دھاوا بول دیا اور سادات کی ایک جماعت کو قیدی بنالیا۔(تتمۃ المنتہی،ص ۳۷۳،محدث قمی)

جس وقت ہلاکو نے ہمدان سے خلیفہ کو پیغام بھیجا کہ اگر تم حکومت ایلخانی سے معافی مانگ لواور اسے تسلیم کرلوتو ممکن ہے کہ میں بغداد نہ آؤں۔خلیفہ اس وقت سیاست سے کام نہ لے سکا اور مغلوں کو نامعقول جواب اور بے ہودہ دھمکیاں دے کر اپنے آپ میں خوش تھا اور مغلوں کا مذاق اڑاتا تھا اور جس وقت وہ خواب خرگوش سے بیدار ہوا تو کافی دیر ہوچکی تھی۔بغداد کے حالات میں مرقوم ہے کہ جب ہلاکو نے خلیفہ کو چھیڑا اور اس سے خزانے اور مخفی دولت کا مطالبہ کیا تو اس نے یہ بھی کہا کہ تم نے اپنی قوم کا خیال کیوں نہ کیا اور اس دولت سے اسلحے کیوں نہ خریدے کہ میرے جیسا دریائے جیحون کو پار کرکے تم تک نہ پہونچ پائے اور جب میں دیگر مسلمانوں کو قتل کررہا تھا تو تم ان کی مدد کو کیوں نہیں آئے۔

پس یہ کہا جاسکتا ہے کہ مغل قوم کے حملے کا اہم سبب وبڑا عامل تھا خلیفہ عباسی کی نااہلی وبوداپن اور دوسرا عامل تھا ''منکوقا آن'' کا حکم جوارامنہ سے معاہدہ کا لحاظ کرکے جاری کیا گیا تھا۔

البتہ بعض (جیسے ابن تیمیہ حنبلی وابن قیم حنبلی از علماء اہل سنت اور صاحب طبقات الشافیہ و تاریخ ایران از جان ملکم) کا نتیجہ مانتے ہیں اوران ہی کو خاندان آل عباس پر آفت کا سبب

خیال کیا ہے مگر مورخین کا (از حملہ عما د الدین ابن الفداء صاحب تارے البدایت والنہایت۔) گروہ ان تمام اتہامات کو طوسی کے دشمنوں کی کارستانی مانتا ہے اور دانش مند طوسی کو ان اتہامات سے دور بتاتا ہے لیکن جو کچھ تاریخ قرائن سے نمایاں ہے وہ یہ ہے خواجہ نصیر ان ان واقعات سے الگ تھلگ و بے تعلق نہیں تھے۔

خواجہ نصیر

ہلاکو خاں نے طوسی کو ان کے علم و فضل کی وجہ سے اپنے بزرگوں کی فہرست میں داخل کر لیا اور ان کی حفاظت و دیکھ بھال میں کافی توجہ دی حتیٰ کہ جہاں جاتا وہاں طوسی کو اپنے ساتھ لے جاتا تھا خواجہ نصیر نے بھی اس موقع کو غنیمت جانا اور خاموشی کے ساتھ مغلوں کی غارت گری و خونخواری دیکھتے رہے اور کچھ بولے نہیں۔

چنانچہ اس عظیم دانشمند و فلسفی کا رول و نقش کئی جہات سے قابل توجہ ہے:

تحصیل علم۔ جسے اس نے جوانی میں بہت اعلیٰ پیمانے پر جگہ جگہ سے حاصل کیا اور مختلف علوم کا جامع بن گیا۔

اس کے بعد اسمعیلیوں کے قلعہ میں پر آشوب و ناقابل برداشت حالات میں عملی و ثقافتی کارنامے انجام دئے۔

مغل حکمرانوں پر اپنا اثر ڈالنا اور انہیں شہروں کی تباہی اور ملکوں کی غارت گری سے روک کر آثار علمی اور بہت سے علماء و دانش مندوں کی حفاظت کرنا۔ مراغہ وغیرہ میں عظیم الشان

رصدگاہ بنانا۔اس تعلق سے طوسی کی چند خدمات کا ہم یہاں ذکر کریں گے۔

الف: اس سیاست داں دانش مند نے ''جوینی'' کی مدد سے قلعہ الموت کی فتح کے بعد حسن صباح کے عظیم کتاب خانہ کو آتش زنی سے بچالیا۔

مغل جو تمدن سے بے بہرہ اور کتاب کی قدرومنزلت سے نا آشنا تھے قلعہ الموت کی فتح کے بعد سوچنے لگے کہ وہاں کے کتابخانہ کو آگ لگا دیں مگر خواجہ نصیرالدین اور جوینی کے تدبیرو ہوشیاری سے یہ کام رک گیا اور وہ علمی خزانہ نابودی کے خطرہ سے باہر ہو گیا۔اور اس عہد میں تاریخ اسلام کے پورے سابقہ ادوار سے زیادہ فارسی میں تاریخ نویسی کا کام ہوا۔

ب: دوسری بات علماء و دانش مندان کی جان کی حفاظت ہے۔طوسی اپنی اثرات کی بنا پر قادر ہو سکے کہ بے رحم و بے عقل قوم مغل کی تلوار سے بہت سوں کو بچالیں ان میں سے ایک تاریخ جہاں کشا کے مولف عطا ملک جوینی بھی تھے جو نا معلوم اسباب کی بنا پر موردعتاب ہلاکو ہو گئے تھے اور ان کو سزائے موت سنا کر زندان میں ڈال دیا گیا تھا۔(فوات الوافیات، ج ۳، ص ۲۴۷،ابن شاکر (چاپ بیروت)

''ابن ابی الحدید'' نہج البلاغہ کا شارح اور اس کا بھائی ''موفق الدولہ'' یہ دونوں علمائے اہل سنت فتح بغداد کے بعد مغلوں کی قید میں تھے اور قتل کئے جانے والے تھے مگر ابن ابی الحدید کا شیعہ شاگرد تھے ابن علقمی اپنے استاد کی سفارش کے لئے خواجہ نصیرالدین کے پاس پہنچا اور طوسی نے ان دونوں کی شفاعت کر کے موت کے خطرہ سے رہائی دلائی۔

ج: دوسرا دلچسپ و قابل توجہ نکتہ قوم مغل کا مسلم ایران کے تمدن وتہذیب میں جذب وحل ہو

جانا ہے وہ لوگ ہلاکو کے لائق دانشمند وزراء مثل نصیر الدین و چند دیگر افراد سے بہت متاثر ہوئے اور آہستہ آہستہ اسلام کی طرف کھچتے چلے گئے۔

یہ قوم جو تہذیب و تمدن سے عاری تھی اور جس نے ممالک اسلامی کی نابودری کے ارادے سے ایران اور دیگر ممالک پر دھاوا بولا تھا نہایت کم مدت کے اندر اسلامی تہذیب کی توانائی و عظمت کے سامنے جھک گئی اور مسلمان ہوگئی اور ۶۹۴ھ (غازان خاں مغل کا زمانہ) سے اسلام ایران کا رسمی مذہب بن گیا اسی بنا پر اہل نظر نے اسے مغل دور اور اس کے بعد کے زمانے کو جدید تمدن اسلامی کی بنیاد رکھنے والا کہا ہے۔

د: دوسرا سب سے اہم و تاریخی کام جو طوسی نے کیا اور جس کی وجہ سے انہوں نے زیادہ شہرت پائی اور ان کا نام دنیا کے چند مشہور و عظیم دانش مندوں و علماء میں شامل ہو گیا۔ وہ تھا مراغہ میں رصدگاہ کی تعمیر اور ایک بڑے مکتب علم و دانش کی بنیاد۔

مغلوں کی تباہ کاری و لوٹ مار کے بند ہو جانے کے بعد ان علمی و ثقافتی مراکز نے دوبارہ اپنا کام شروع کر دیا اور خواجہ نصیر کی دانائی سے مراغہ کی عظیم رصدگاہ اور کتاب خانہ وجود میں آیا۔

بعض مورخین نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ رصدگاہ کا خیال اور بنیاد کس نے ڈالی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ جدت خواجہ نصیر الدین کی تھی انہوں نے ہلاکو خاں کو اس کی تعمیر پر مائل کیا اور ہلاکو خاں نے اس کے لئے فرمان جاری کیا۔

بعض کا کہنا ہے کہ چونکہ مغل قوم ہیئت و نجوم سے بہت زیادہ علاقہ مند تھی اور اس علاقہ مندی کی ایک قدیم تاریخ ہے اس لئے ''منکوقاآن'' نے مراغہ میں رصدگاہ کی تعمیر کی تجویز ہلاکو کے

سامنے رکھی تا کہ وہ منجموں کی پیشین گوئی سے اپنے مقاصد وامور انجام دینے میں مدد حاصل کر سکے مغل سرداروں کی نجوم سے علاقہ مندی کا سبب خاص بھی یہی تھا۔لیکن جو بات مہم اور نا قابل تر دید ہے وہ اس کام میں خواجہ نصیر کا موثر کردار ہے بلا شبہ اگر وہ دنیا کے اس عظیم مجتمع کا موجد نہ رہا ہو(جس کی مثال شرق وغرب میں تین سو سال تک نہیں تھی ،مگر موسس ضرور تھا۔ مشہور مستشرق رونالڈس لکھتا ہے:

''طوسی نے مراغہ میں سے ہلاکو سے کہا کہ'' فاتح حاکم کوصرف غارت گری پر اکتفانہیں کرنا چاہیے۔''اس مغل نے طوسی کا مطلب بھانپ لیا اورحکم دیا کہ مراغہ کے شمالی پہاڑ پر ایک عظیم رصدگاہ بنائی جائے چنانچہ کام شروع ہوااور بارہ سال میں تمام ہوااس درمیانی مدت میں رتیج کی جمع آوری ہوتی رہی۔ ہلاکو کے مرنے کے بعد تک یہ کام چلتا رہا تکمیل کے بعد اس کا نام زتیج ایلخانی رکھا گیا۔

اس کے ساتھ بہت بڑا کتب خانہ بھی بنایا گیا جس میں ان تمام کتابوں کو اکٹھا کر دیا گیا جو بغداد کے کتابخانوں کی غارت گری سے بکھر گئی تھیں۔ (فلاسفہ شیعہ،ص ۲۸۷،شیخ عبداللہ نعمہ۔)

صاحب حبیب السیر لکھتے ہیں:

جس وقت ہلاکو خاں کو بغداد کی تسخیر وتخریب سے فراغت حاصل ہوئی تو اس نے خواجہ نصیر کی ترغیب پر حکم دیا کہ رصد کے اسباب کی ترتیب اور زیج کا استنباط کیا جائے اور خواجہ نصیر نے تبریز میں مراغہ کو رصد گاہ کے لئے منتخب کیا۔حکم شاہی ہوا کہ اس کام کے لئے جو رقم درکار ہو

اسے خزانہ دار و دیوان مہیا کر کے دیں۔ چنانچہ اس کے لئے خواجہ نے جو بھی خرچ لازم تھا اسے حاصل کیا۔(حبیب السیر ،ج ۳،ص ۱۰۳،نقل از مفاخر اسلام،ج ۴،ص ۱۱۲)

صاحب کتاب ''فوات الوفیات'' ابن شاکر کے مطابق رصدگاہ بنانے کا خیال خواجہ کے دماغ کی پیداوار تھی اور وہ ہلاکو سے ملاقات سے برسوں پہلے اس فکر میں تھا کہ جب بھی وقت وموقع ہاتھ لگا اور وسائل فراہم ہو گئے اس کام کو شروع کرنا ہے بالآخر جب ہلاکو کے عہد میں انہوں نے اسے ممکن دیکھا تو اس کے لئے ابھارا کہتے ہیں کہ ہلاکو نے کہا کہ اس کام کا فائدہ کیا ہے۔؟

اور کیا اس سے جو خیال وتمنا ہے وہ انجام پذیر ہو جائے گا؟ رصدگاہ بنانے اور ستاروں کی حرکت کو جان لینے کے بعد کیا حوادث کو روکا جاتا ہے؟ خواجہ نے کہا کہ میں اس سوال کا جواب ایک مثال سے دیتا ہوں۔ انہوں نے ایل خان (ایل خاں کہتے ہیں ایل کے سرپرست کو اس طرح مغلوں کے سرداروں کا یہ لقب بن گیا) سے کہا کہ ایک آدمی کو بلندی پر بھیجو مگر وہ یہاں سے نزدیک ہو بہت دور نہیں اور وہ آدمی وہاں جا کر زمین پر ایک بہت بڑا طشت گرائے مگر پہلے سے کسی کو خبر نہ ہو۔ ہلاکو نے یہ کام انجام دیا اور ایک شخص کو مقرر کر دیا کہ وہ بالاخانہ پر جا کر طشت کو زمین پر پھینک دے۔ طشت کے گرنے سے بڑی مہیب و زوردار آواز نکلی اور لوگ گھبرا کے بھاگنے لگے۔ اور چاروں طرف وحشت وخوف پھیل گیا۔ لیکن چونکہ خواجہ و ہلاکو معاملہ سے واقف تھے اس لئے بالکل نہ ڈرے۔ تب خواجہ نے کہا کہ اگر علم نجوم کا کوئی فائدہ نہ ہو تب بھی اتنا فائدہ تو ہے ہی کہ نادان واقف اور غافل لوگوں کو جو

حوادث خوف و رنج میں مبتلا کر دیتے ہیں علوم نجوم کے جاننے والے اس سے محفوظ رہتے ہیں۔ ہلاکو نے جب دیکھا کہ معاملہ یوں ہی ہے تو پھر خواجہ کو صدر گاہ بنانے کا حکم دے دیا اور کہا اس کے لئے عمارت بنائی جائے۔ (فوات الوفیات، ج ۳،ص ۲۴۷، چاپ بیروت، ابن شاکر تاریخ فلاسفہ ایرانی،ص ۴۲۰،ڈاکٹر علی اصغر حلبی)

مغل بادشاہ نے اس عظیم مرکز کے قیام و توسیع و ترقی کے لئے اپنی مملکت کی ہر مقبوضہ ریاست کے اوقات خواجہ نصیر الدین کے سپرد کر دئے۔ خواجہ نصیر نے ہر شہر میں ایک نمائندہ مقرر کر دیا اور رصد گاہ کے خرچ کے لئے اوقاف کے مال کا دسواں حصہ مخصوص کر دیا۔ خواجہ کا یہ عمل اوقاف سے صحیح استفادہ اور علم کے لئے اس سے بہرہ برداری، دوسروں کے لئے نمونہ ہے اور طوسی کے سیاسی اقتدار و ذہانت کو ظاہر کرتا ہے۔

مراغہ کی رصد گاہ ۶۵۶ ھ میں بننا شروع ہوئی اور خواجہ نصیر الدین کی وفات کے سال ۶۷۲ ھ میں مکمل ہوئی۔

اس تعمیر میں فلسفہ و طب و علم دین حاصل کرنے والے طالبعلموں کے لئے الگ الگ مدارس و عمارتیں بنائیں گئی تھیں جہاں فلسفہ کے ہر ایک طالب علم کو روزانہ تین درہم اور طب پڑھنے والوں کو دو درہم فقیہ کے لئے ایک درہم اور محدث کے لئے روزانہ نصف درہم مقرر کیا گیا تھا۔ علماء کے وظیفہ میں درجہ بندی اس زمانے کے سیاسی و اجتماعی اور ضروریات زندگی کا لحاظ کر کے کی گئی تھی اس لئے اگر خواجہ نے فلسفہ کے طالب علم کو متعلم طبابت پر ترجیح دی تو اس کا سبب اس زمانے کے حالات تھے جہاں اس علم کو سب پر اولیت حاصل تھی۔

اس عظیم عملی کام کو انجام دینے کے لئے دانش مند طوسی نے چند مشہور فلک شناس علماء سے استفادہ کیا اور اس کے لئے بھاری رقم خرچ کی۔ اس مرکز میں دانشمندوں کی جتنی تعداد جمع ہو گئی تھی اس سے انہوں نے ایک بڑا علمی گروہ تشکیل دیا جن کا کام علم نجوم و ریاضی میں نئی تحقیق وانکشاف تھا۔

اس علمی کام میں جن علماء و دانشمندوں نے طوسی کا ساتھ دیا ان میں سے چند اعلام کا ذکر کیا جاتا ہے۔

نجم الدین کاتبی قزوینی۔ ولادت ۶۰۰ ھ وفات ۶۷۵ ھ۔ علماء و حکماء شافعیہ میں سے تھے اور رصدگاہ مراغہ میں خواجہ نصیر الدین طوسی کے شریک کار تھے۔ مشہور کتاب منطق ''شمسیہ'' ان ہی کی تصنیف ہے رصدگاہ مراغہ میں خواجہ نصیر کا علمائے اہل سنت سے کام لینا یہ بتاتا ہے کہ وسیع نظر و وحدت پسند تھے اور علوم کی ترقی میں مذہبی تعصب سے بہت دور تھے۔

مویدالدین عرضی۔ دمشق کے علماء و فلاسفہ میں سے تھے ۶۵۰ میں پیدا ہوئے ۶۶۴ میں وفات پائی۔ انہوں نے مراغہ کے رصدی آلات کے بارے میں ایک کتاب بنام ''شرح آلات رصدیہ مراغہ'' لکھی۔

فخرالدین خلاصی۔ عالم فلسفہ وطب کے ماہر تھے ۵۸۷ میں متولد ہوئے اور ۶۸۰ ھ میں مراغہ ہی میں وفات پائی۔

محی الدین مغربی۔ اندلس کے رہنے والے تھے وہ خواجہ نصیر کے اہم ساتھیوں میں گنے جاتے ہیں ان کی تحریر کردہ کتابیں بہت ہیں محی الدین علم نجوم میں بہت زیادہ دسترس رکھتے تھے اور

ان کی کتابیں زیادہ تر اسی علم میں سے متعلق ہیں۔

فرید الدین طوسی۔ اہل حکمت وعرفان تھے معماری میں بھی تخصص رکھتے تھے۔ اس دانش مند نے رصدگاہ بنانے میں طوسی کی بہت زیادہ مدد کی۔

فخر الدین مراغی۔ علم اصول و ہندسہ درصد میں مہارت رکھتے تھے ۵۸۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۶۷ میں اصفہان میں انتقال فرمایا۔

فرید الدین ابوالحسن علی بن حیدر طوسی۔ یہ بھی اہل فن تھے انہوں نے بھی رصدگاہ کی تاسیس میں خواجہ طوسی کے ساتھ ہم کاری کی ان پر طوسی بہت اعتماد کرتے تھے فریدی الدین نے ۶۹۹ھ میں وفات پائی۔

محمود بن مسعود بن مصلح الدین کازرونی۔ معروف بہ فخر الدین کازورنی ۶۶۴ میں بغداد آئے اور خواجہ نصیر سے ملے۔ اس صاحب علم ودانش کا باپ طبیب تھا، شیراز میں ایک مدت تک طبابت میں مشغول رہا۔ (خواجہ نصیر کے شاگردوں کی بحث میں ان کا بیان آئے گا۔)

مراغہ کے رصد خانہ میں بہت سے ان آلات سے بھی استفادہ کیا گیا جو قلعہ الموت و بغداد سے لائے گئے تھے اور وہ ایک بہترین رصد خانہ مانا جانے لگا۔ جوینی نے ''تاریخ جہاں کشا'' میں نجوم کے چندقم کے سامان واوزار کا ذکر کیا ہے جو الموت سے مراغہ میں لائے گئے تھے (منجملہ اس کے اسطرلاب، ذات الکرسی، ذات الحلق وغیرہ)۔ (اسطرلاب علم نجوم کا قدیم ترین ومعروف ترین آلہ ہے اور مختلف زبانوں میں اس میں تبدیلیاں ہوتی رہی اور اسے ستارہ شناسی میں استعمال کیا جاتا رہا۔ اسطرلاب دولفظ یونانی استر بمعنی ستارہ اور لابون

یعنی گننا سے مرکب ہے اس سے بہت سے کام لئے جاتے تھے مثلاً ستاروں کی بلندی اور آسمان میں اس کی جگہ یہ کئی قسم کا ہوتا تھا اور ہر ایک کا نام الگ تھا۔)

(کچھ قسمیں اس طرح ہیں: اسطرلاب تام، مسطح شمالی وجنوبی، طوماری، ہلالی زورقی، عقربی، قوسی، ہلالی) مسرطین (خرچنگی) حق القہر، مغنی، جامعہ، عصا موسیٰ، اہلیلجی صلیبی، بولبی، کری، ذی العنکبوت، رصدی، مجنخ، صدفی، سفرجلی، اسطرلاب نصف (برائے اندازہ و دورجہ دودرجہ) اسطرلاب ثلث (برائے اندازہ سہ درجہ سہ درجہ) اسطرلاب سدس (برائے اندازہ شش درجہ شش درجہ) اسطرلاب عشر (برائے اندازہ دس درجہ دس درجہ) خواجہ نصیر الدین کا ایک بیس بابی رسالہ اسطرلاب کی معرفت میں جس کا نام ''بیست باب درمعرفت اسطرلاب'' ہے اس رسالہ میں اسطرلاب کے اجزاء کی شرح کی گئی ہے۔)

خواجہ نصیر کی یادداشت میں ہے کہ:

مراغہ کی رصدگاہ میں ایک قبہ ہے اسے اس طرح تیار کیا گیا ہے کہ قبہ کے سوراخ سے نور آفتاب صبح سے شام تک آوے اور اندر اجالا کرے اور اس وسیلہ سے آفتاب کی وسطی حرکت بلحاظ درجہ ودقیقہ معلوم ہوتی ہے۔ نیز اسی وسیلے سے ممکن ہے کہ مختلف فصلوں میں آفتاب کی بلندی کے زاویوں کا اندازہ ہو سکے۔ اسی طرح قبہ کو ایسا بنایا گیا ہے کہ نوروز کے دن شعاع آفتاب ''عتبہ'' پر پڑتی ہے۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ مراغہ کی رصدگاہ دوربین کی ایجاد سے پہلے ایک اعلیٰ ومکمل رصدگاہ تھی۔ (یادنامہ خواجہ نصیر، ص ۸۲۔)

مراغہ کا رصدخانہ اسلام میں پہلا رصدخانہ نہیں تھا بلکہ اس سے قبل بھی کئی رصدگاہ موجود تھیں

جن میں سے مشہور ترین کا ذکر یہاں جاتا ہے۔

رصد خانہ ''شماسیہ'' جو مامون کے زمانے میں (۲۱۴ ھ) قائم کیا گیا اسے اسلام کا رصد گاہ مانا گیا۔

رصد خانہ بتائی جو شام میں واقع تھا۔

سرزمین مصر میں رصد خانہ حاکمی تھا۔

بغداد کا رصد خانہ بنی الاعلم۔ (فوت الوفیات، ج ۳، ص ۳۵۱، ابن شاکر (چاپ بیروت)

قبل اسلام بھی چند رصد گاہیں بنائی گئی تھیں مثلاً رصد برجس (ابن جیس) و رصد بطلیموس (فوات الوفیات، ج ۲، ص ۱۵۱، چاپ مصر) اور ایران میں رصد خانہ درجندی شاپور موجود تھا۔ (دیکھو تاریخ در ایران نوشتہ ڈاکٹر مہدی فرشاد۔ (چاپ انتشارات امیر کبیر) بہرحال مراغہ کا رصد خانہ اپنے وقت کا سب سے عظیم رصد خانہ تھا جس کی تعمیر و تاسیس خواجہ نصیر کی ہمت و حوصلے نے کی انہوں نے اس تعلق سے زیج بھی مرتب کرائی جس کا نام زیج ایلخانی رکھا۔ (فارسی زیگ کو عربی میں زیج کر دیا گیا ہے اور وہ ایسی کتاب ہے جس سے منجم لوگ احوال و حرکات افلاک و ستارگان معلوم کرتے ہیں (لغت نامہ وہنجدا) زیج ان خطوط (افق و عمودی) کا مجموعہ ہوتا ہے جن کی بنیاد پر اختر شناسی کے مشاہدات و مطالعات ہوتے ہیں۔ ان خطوط (جدول) سے ستارہ شناس ستاروں کی موقعیت کے تعین اور احکام نجوم کے استخراج اور نقاط و مقامات کی خصوصیات اور زمان شناسی کا کام لیا جاتا ہے (کتاب تاریخ علم در ایران، ص ۱۹۳ ڈاکٹر مہدی فرشاد)

طوسی کے عظیم کارناموں میں سے ایک مراغہ کی رصدگاہ کے نزدیک کتاب خانہ بنانا ہے جس میں مختلف شہروں وملکوں سے کتابیں لائی گئیں۔ خواجہ نصیر نے اپنے گماشتوں کو اطراف و کناف میں بھیجا کہ جہاں بھی علمی کتاب دست یاب ہو وہ اسے خرید لیں اور مراغہ بھیج دیں طوسی خود بھی جہاں جاتے اچھی ومفید کتاب دیکھتے تھے تو خرید لیتے تھے۔ اوراس میں کوتاہی نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ مراغہ کے کتاب خانہ میں چار لاکھ کتابوں کا ذخیرہ ہو گیا جیسا کہ مورخین نے لکھا ہے۔

☆☆☆

فصل ششم

خواجہ نصیر کی اولاد

خواجہ نصیر کے بیٹے

خواجہ نصیر الدین طوسی نے صدر الدین علی، اصیل الدین حسن، وفخر الدین احمد تین فرزند یادگار چھوڑے جن میں سے ہر ایک علم و دانش وفضل وکمال میں فخر روزگار تھا وہ ایک مدت تک مسلمانوں کی خدمت میں کرتے رہے۔ان کی زندگی بہت سے حوادث سے لبریز ہے۔

طوسی کی نسل سے کچھ افراد

حکومت صفویہ میں بہت اونچے عہدے پر پہنچے تھے جن میں ''حاتم بیک اردو باری'' کا نام لیا جاسکتا ہے جو شاہ عباس کے دور میں اعتماد الدولہ کہلاتے تھے۔

صدر الدین علی

خواجہ نصیر کے بڑے اور لائق فرزند اپنے باپ کی زندگی میں ان کے اہم کارتھے۔اور والد نے ان کو مراظہ کے رضا خانہ کا سرپرست مقرر کیا تھا۔والد کی رحلت کے بعد بھی رصد خانہ کے امور و اوقاف کے نگراں تھے ان کو ایک دانش مند، ریاضی داں، فلسفی و نجومی بتایا گیا ہے۔مجمع الاداب میں ابن فوطی نے لکھا ہے صدر الدین کو شاہ قہستان اعتماد الدین ابوالفداء

قہستانی کی بیٹی سے شادی کا اعزاز حاصل تھا۔

اصیل الدین حسن

اصیل الدین حسن نصیر الدین طوسی کے دوسرے بیٹے تھے اور اپنے بھائی کی طرح اہل دانش و فضیلت تھے۔ ادبیات و سیاست میں اپنے والد کے ساتھ دسترس حاصل کی۔ وہ حیات پدر اور بعد وفات دونوں زمانوں میں مہم مشاغل و منصب پر فائز تھے بڑے بھائی (صدر الدین) کی وفات کے بعد ان کے جانشین ہوئے انہوں نے غازان خاں کے ساتھ شام کا سفر بھی کیا۔ اس کی حکومت میں ان کو اونچا مقام اور خصوصی شہرت حاصل تھی۔ شام میں انہوں نے امور اوقاف کو ہاتھ میں لیا اور بعد میں غازان خاں کے ساتھ بغداد کا سفر کیا جہاں انھیں بھی نائب السلطنت بغداد بنایا۔

فخر الدین احمد

خاندان میں سب سے چھوٹے تھے اور دوسرے بھائیوں کی طرح آپ کے ہاتھ میں تمام ممالک اسلامی کے اوقاف کی ریاست تھی اور وہ ان مسائل کو دیکھتے و سلجھاتے تھے۔

ان کی خصوصیات کے تعلق سے مرقوم ہے:

جب وہ بغداد میں ادراہ اوقاف کے رئیس و سربراہ تھے تو ۶۸۳ھ میں عراقی عوام کو قحط سخت نے اپنی لپیٹ میں لے لیا انہوں نے اپنی عالی دماغی اور خصوصی تدبیر سے اس کی نگہداشت

کی اور اپنی تمام توانائی و ذہانت کو صرف کر دیا۔

فرزندان طوسی کے علم و دانش کے لئے یہی کافی ہے کہ شیعہ مورخین ہی نے نہیں بلکہ بہت سے اہل سنت ہم عصر مورخین نے بھی ان کے فضل و علم و دانش کا اعتراف کیا اور ان کو دانش مندوں کی صف میں شمار کیا ہے یہی نہیں بلکہ انہیں بعنوان بزرگ اہل دانش یاد کیا ہے۔

ان اوصاف کی طرف کتاب ''الوافی بالوفیات'' ابن صفدی'' ''فوات الوفیات'' ابن شاکرو ''حوادث الجامعہ، مجمع الاداب، تلخیص معجم الالقاب'' ابن فوطی میں اشارے موجود ہیں۔

☆☆☆

فصل ہفتم

اخلاق خواجہ نصیر

خواجہ نصیر کا اخلاق

محقق طوسی بے پناہ علم و دانش و مختلف فنون میں ید طولیٰ رکھنے کے علاوہ بہترین اخلاق و صفات حسنہ کے حامل تھے جس کا بیان تمام مورخین نے کیا ہے۔

طوسی کو صرف قلم و کتاب والے دانش مندوں میں شمار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ انہوں نے علمی و فلسفیانہ کارناموں کو اپنی زندگی کا مقصد نہیں بنایا تھا بلکہ اخلاق، حسن سلوک، مجلسی زندگی علماء اور اردگرد کے حالات میں ان کی گہری دلچسپی تھی یہی نہیں بلکہ ان کے یہاں علم کو اخلاق و معرفت پر سبقت حاصل نہیں تھی چنانچہ جہاں بھی انسانیت و اخلاق و کردار کی بات آتی ہے وہ اخلاق اور تمام انسانی اسلامی قدروں کو کلام و مفہوم بے روح (یعنی علم و دانش) پر ترجیح دیتے تھے۔

اگر چہ ان کو شعر و ادب کا ذوق لطیف بھی تھا مگر ان کا علم و رفتار و گفتار حقیقت واقعیت کے تابع تھا اسی لئے انہوں نے کشادہ روئی کھلی آنکھوں اور متانت کے ساتھ اس عالم اسلامی زندگی گزاری جہاں بے عقلی، ناہنجاری اور جہالت کا زور تھا۔ خواجہ نے اپنی پوری زندگی میں تہمت، افترا، ملامت و بدگوئی دشنام کا سامنا کیا اور وہ بھی بہت زیادہ۔

(افسوس تو یہ ہے کہ وہ سلسلہ آج بھی بند نہیں ہوا ہے) ویسے تاریخ کی عظیم ہستیوں کی یہ خصوصیت بھی رہی ہے کہ ایک طرف ان کی تعریف و توصیف و ستائش ہوتی ہے اور دوسری

طرف دشمن ان کو برا بھلا کہتے رہے ہیں۔

داستان اتہام

یہ محقق طوسی کے صبر و تحمل و بردباری کا قصہ ہے جو بتاتا ہے کہ انسان ہونا عالم ہونے سے بالاتر ہے اور نصیر الدین کے کردار کے ایسے رخ کو ظاہر کرتا ہے جس کی مثال بہت کم ملے گی۔

ابن شاکر نے ''فوات الوفیات'' میں اسے یوں لکھا ہے:

ایک شخص خواجہ نصیر کے پاس آیا اور ان کے سامنے کسی دوسرے آدمی کی تحریر پیش کی جس میں خواجہ کو بہت برا کہا گیا تھا اور گالیاں دی گئی تھیں ان کو سگ ابن سگ لکھا تھا۔ خواجہ نے اس کا جواب نہایت نرم و لطف آمیز زبان میں دیا تھا اور لکھا ''مگر تمہارا یہ لکھنا درست نہیں ہے کیونکہ سگ (کتا) چوپایہ ہے اور عف عف کرتا ہے اس کی کھال بالوں سے ڈھکی رہتی ہے ناخون بہت لمبے ہوتے ہیں تو یہ صفتیں تو مجھ میں بالکل نہیں ہیں بلکہ اس کے برخلاف میری قامت مستقیم، بدن بلا بال کا ناخن چورے ہیں اور ایسے خصائص رکھتا ہوں جو کتے سے مغائر ہیں اور میرے اندر جو ہے وہ اس میں نہیں ہے اور پھر وہ تمام عیوب و برائیاں جو صاحب نامہ نے خط میں درج کی تھیں ان سب کا جواب اسی طرح بغیر سختی و درشتی کے لکھ دیا۔ (فوت الوفیات، ج ۳، ص ۲۴۸، چاپ بیروت ابن شاکر الوافی بالوفیات، ج ۱، ص ۱۸۰، ابن صفدی الکنی والالقاب، ج ۳، ص ۲۱۷، محدث قمی، چاپ بیروت)

یہ داستان ایک نمونہ ہے اس بات کا کہ خواجہ طوسی خود پرستی خود خواہی نفس پرستی کے قید سے

آزاد تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ صرف تاریخ وطبیعت کا چکر ہی نہیں ہے جس سے انسان علم کی مدد و ذریعہ سے آزادی حاصل کرلے بلکہ ایک اور زندان بلا بنام نفس وخود پرستی بھی ہے جس سے آزادی، علم ودانش کے ذریعہ ممکن نہیں بلکہ ایمان بخدا وتقویٰ الٰہی اس کی کنجی ہے۔

تمام علوم میں جامعیت اور جملہ مسائل پر طوسی کا عبور بتاتا ہے کہ وہ ایک بلند روح کے مالک تھے اور زندگی کو اپنے و دوسروں کے لئے سنگین وسخت نہیں بتاتے تھے اور لوگوں کی خوشنودی و درگزر جیسی عوام پسند صفات کے مالک تھے۔

نصیر الدین نے شرح اشارات، اوصاف الاشراف واخلاق ناصری میں عرفان واخلاق کی طرف اپنے میلان کو یوں ظاہر کیا ہے کہ لگتا ہے کہ وہ ایک فلسفی وریاضی داں نہیں بلکہ ہمہ جہت عارف، معلم اخلاق ہے جو انسان کو انفرادی واجتماعی زندگی بسر کرنے کا طریقہ تعلیم کرتا ہے۔ نصیر الدین طوسی نے صحرانورد وحشی مغل قوم پر اپنی سیرت وکردار کا ایسا گہرا اثر ڈالا کہ آخرکار ان کے سردار، فرمانروا اور فوجی سب دین اسلام میں داخل ہوگئے۔ عہد طوسی کو سات صدیاں گزر چکی ہیں مگر آج بھی ان کے ارشاد کلام، اطوار، اخلاق، علم ودانش اہل علم کی مجالس کی زینت بخش رہی ہے۔ ان کی نیک صفات کے نقوش اشعہ مہر وماہ واختر آسمان فضیلت پر چمک رہے ہیں۔

''علامہ حلی'' جو علمائے تشیع میں بزرگ ترین فرد مانے جاتے ہیں اور جن کا فرمان مسلم دانش مندوں میں سند اور مضبوط دلیل کی حیثیت رکھتا ہے وہ بھی طوسی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے علامہ حلی کے افکار ونظریات کو بزرگ علماء حتیٰ کہ علماء غیر شیعہ بھی معتبر وگراں بہا مانتے ہیں۔

علامہ حلی اپنے استاد کے فضائل اخلاقی کی خصوصیات کا تذکرہ یوں بیان کرتے ہیں:

خواجہ بزرگوار علوم عقلی و نقلی میں بہت زیادہ تصنیفات کے مالک ہیں انہوں نے مذہب شیعہ کے دینی علوم پر بھی کتابیں لکھی ہیں۔ میں نے جتنے دانش مندوں کو دیکھا ان میں شریف ترین شخص وہی تھے۔ خدا ان کی ضریح (قبر) کو منور کرے میں نے ان کی خدمت میں الٰہیات شفاء ابن سینا اور علم ہیئت میں ''تذکرہ'' کا درس لیا جو خود ان کی ایسی تالیفات میں سے ہے کہ جب تک یہ دنیا رہے گی اس کی تابانی باقی رہے گی۔ (مفاخر اسلام، ج ۴، ص ۱۳۶، علی دوانی، بنقل از اجازات بحار)

خواجہ نصیر کے اخلاق کی تعریف میں ان کے شیعہ شاگردوں سے زیادہ حلاوت ان کے اہل سنت شاگردوں کے بیان میں ہے۔

ابن فوطی (برای اطلاع بیشتر، فصل شاگردان خواجہ نصیر ملاحظہ فرمائیں۔) حنبلی مذہب رکھتے تھے مگر خواجہ نصیر کے شاگرد تھے وہ اپنے استاد کا ذکر یوں کرتے ہیں:

خواجہ مرد فاضل و کریم الاخلاق، نیک سیرت اور انکسار پسند تھے وہ کبھی بھی کسی حاجت مند کے سوال پر دل تنگ نہیں ہوتے تھے اور اسے رد نہیں کرتے تھے ان کا برتاؤ سب کے ساتھ خوش روئی کے ساتھ ہوتا تھا۔ (احوال و آثار خواجہ، ص ۸۷ مدرس رضوی بنقل از حوادث الجامعہ ابن فوطی)

مورخین اہل سنت میں سے ''ابن شاکر'' نے اخلاق طوسی کی تعریف یوں کی ہے:

خواجہ نہایت خوش شمائل و کریم و سخی و بردبار و خوش معاشرت، دانا و فراست والے تھے ان کا

شماراس عہد کے سیاست مداروں میں ہوتا تھا۔(فوات الوفیات، ج ۲،ص ۱۴۹،ابن شاکر چاپ مصر)

☆☆☆

فصل ھشتم

شاگردان خواجہ نصیر

خواجہ نصیر کے شاگرد

نصیر الدین طوسی جو کہ یگانہ روزگار دانش مند و مختلف علوم وفنون کے بحر ذخار تھے وہ ہر طالب علم کو اس استعداد وظرف کے مطابق اپنے چشمہ پر جوش علم سے سیراب کرتے تھے۔طوسی جہاں بھی رہتے تشنگان علوم ان سے فائدہ حاصل کرتے جن شہروں اور مختلف مما لک میں وہ آمدورفت رکھتے تھے چمکتے آفتاب کی گرمی بخشتے تھے۔انہوں نے دنیا کو بہت زیادہ تعداد میں دانش مند بخشے اگر سب کی فہرست مرتب کی جائے تو پورے دفتر کی ضرورت ہوگی ہم یہاں ان کے چند شاگردوں کا مختصر ذکر کرتے ہیں

علامہ حلی

''جمال الدین حسن بن یوسف مطہر حلی''

معروف بہ علامہ حلی ۶۴۸ھ میں حلہ (حلہ عراق میں نجف وکربلا کے درمیان ہے) میں متولد ہوئے شیعوں کے مشہور علماء ودانشمندوں بزرگوں میں ان کا شمار ہے جو علم کا خزانہ اور فضائل کا کھلیان تھے۔خاندانی لحاظ سے صاحب شرائع الاسلام جناب ''محقق حلی'' آپ کے ماموں اور ''فخر المحققین'' آپ کے فرزند تھے۔(ان کا لقب فخر الدین وفخر الاسلام بھی ہے آپ بھی

حلہ میں پیدا ہوئے دس سال کی عمر میں تحصیل سے فارغ ہوکر درجہ اجتہاد پر فائز ہو گئے۔)
علامہ حلی پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے شیعوں میں ''آیت اللہ'' کا لقب حاصل کیا اور عالم تشیع کے لئے بہت تکلیف اٹھائی اور ان کی خداشناسی و خداجوئی پر مشتمل افکار سے بے شمار انسان شیعہ ہوئے ۷۸ سال کی عمر بابرکت پائی اور ۷۲۶ھ میں واصل بحق ہوئے۔ ان کے قیمتی آثار فقہ، اصول، فلسفہ، کلام، تفسیر، حدیث و رجال میں یادگار ہیں جن میں سے بعض کا ذکر ذیل میں کیا جا رہا ہے:

کشف المردا: یہ کتاب خواجہ نصیرالدین طوسی کی ''تحریدالکلام'' کی شرح ہے۔ تجریدالکلام کی مختلف شرحیں لکھی گئی ہیں منجملہ اس کے شرح ''ملاعلی قوشجی'' کا نام آتا ہے۔ قوشجی بزرگان اہل سنت میں سے ایک ہیں ان سے نقل کیا گیا ہے کہ وہ ہمیشہ فرماتے تھے۔

''اگر خواجہ کے عرب شاگرد (مراد علامہ حلی) نے تجریدالکلام کی شرح نہ لکھی ہوتی تو لازمی طور پر تجرید کا اجمال حل نہ ہوتا اور اس میں سے کچھ بھی سمجھا نہ جا سکتا۔'' (کتاب قصص العلماء، ص ۳۸۲ مرزا محمد تنکابنی)

باب حادی عشر۔ یہ کتاب علم کلام میں ہے اور کتاب منہاج الصلاح علامہ حلی کا گیارہواں باب ہے۔

پہلے علامہ حلیؒ نے شیخ طوسیؒ کی مشہور کتاب ''مصباح المتجد'' کو اختصار کے ساتھ منہاج الصلاح نامی کتاب میں سمو دیا پھر اس کو دس بات کا اضافہ کیا جس میں علم اصول اعتقادات ہیں اس طرح ''باب حادی عشر'' دراصل کتاب منہاج الصلاح کا گیارہواں ہے۔

جوہر النضید۔ خواجہ نصیر کی کتاب منطق ''تجرید'' کی شرح (علامہ حلی دیگر چند کتب درج ذیل ہیں: تذکرہ الفقہاء، تبصرۃ المتعلمین فی احکام الدین، مدارک الاحکام، قواعد الاحکام، نہایۃ الاحکام، مختلف الشیعہ فی احکام الشریعہ در علم فقہ۔ وکتب مبادی الاصول فی علم الاصول، نہج الوصول فی علم الاصول، نہایت الوصول الی علم الاصول در علم الاصول، وکتب بسط الاشارات، ایضاح المعضلات من شرح الاشارات، الاشارات الی معانی الاشارات، یہ تینوں کتابیں ابن سینا کی اشارات کی شرح ہیں۔)

ابن مثیم بحرانی

کمال الدین مثیم بن علی بن مثیم بحرانی۔

حکیم، ریاضی دان، متکلم وفقیہ بحرین میں ٦٣٦ھ میں متولد ہوئے اور بڑے بڑے علماء مثل علامہ سید ابن طاؤس کے محضر میں کسب علم وکمال کیا۔ اگرچہ انہوں نے حکمت میں خواجہ نصیر کی شاگردی اختیار کی تھی مگر وہ ان کے فقہ کے شاگرد مانے جاتے تھے ابن مثیم بحرین میں رہتے تھے اور بہت ہی قانع، خوددار، زاہد وعزت نفس کا خیال رکھنے والے دانش مند تھے۔ ان کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ مرد گوشہ نشین تھے اور علمی مجلسوں کے ہاوہو سے دور تحقیق و تتبع میں لگے رہتے تھے ایک بار دوستوں کی دعوت پر بحرین سے حلہ پہنچے اور وہیں پر اپنے گراں قدر اثرات تحریر مثلاً شرح کبیر، شرح متوسط وشرح صغیر نہج البلاغہ کو مرتب کیا۔ ان کی قلندرانہ زندگی کا ایک واقعہ درج کیا جاتا ہے جو بے حد نصیحت آمیز بھی ہے:

اے آستین تو کھا

تاریخ کے مردان علم جودوصاحبان فضیلت کی ہمیشہ یہ خصلت رہی ہے کہ وہ تہہ دست ہوتے تھے۔ابن مثیم بھی سخت زندگی گزارتے اور معمولی و کہنہ لباس زیب تن کئے رہتے تھے اور اسی ہیئت ولباس میں حلہ کے بزرگوں، امراء دانش مندان کی مجلسوں میں پہنچ کر آخری کنارے پر جا بیٹھتے تھے۔اس مجلس میں فقہی وعلمی مسائل پر غور وفکر ہوتا تھا اور طلاب علماء مختلف مسائل علمی پر بحث و گفتگو کرتے تھے۔ابن مثیم اس بحث میں شریک ہوتے اور اپنی مضبوط دلیلوں سے حضار ومباحث افراد کے نظریات کو رد کردیتے اور مختلف علوم کے سوالات کا بالکل درست جواب دیتے تھے۔اگرچہ انہوں نے اپنے علمی تبحر کو نمایاں کردکھایا تھا مگر کہنہ لباس اور پیوند لگے ہوئے کپڑوں کی وجہ سے حاضرین مجلس کی سردمہری کا شکار رہتے تھے۔

طلاب علوم اور دانش مند مجلس میں لباس ہائے فاخرہ پہنے بیٹھے تھے اور ابن مثیم کا دوست و متیقن جواب ان پر گراں گزر رہا تھا لہٰذا ان لوگوں نے صرف اس وقت صرف بے توجہی نہیں بلکہ دل آزاری شروع کردی اور ان کو حقیر گردانئے لگے۔ایک شخص نے ابن مثیم کی طرف رخ کرکے کہا مجھے لگتا ہے کہ تم طالب علم ہو۔ابن مثیم اس دن خاموشی سے باہر نکل گئے اور دوسرے دن ایسا قیمتی لباس پہن کر آئے جس کی آستینیں بہت چوڑی تھیں۔ان کے سر پر بڑا عمامہ تھا۔تمام حاضرین اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کو مجلس میں آگے لے جاکر بٹھایا۔علمی بحث

کے درمیان ابن میثم عمداً کمزور وسست جواب دیتے تھے مگر لوگ ان ہی جوابات کو مناسب و صحیح بتاتے تھے۔

جب دوپہر کا کھانا چنا گیا تو ابن میثم کو مجلس میں بہترین جگہ دی گئی اس وقت انہوں نے اپنی ایک آستین کو دوسرے ہاتھ سے پکڑ کر کہا کہ کھا اے آستین! حاضرین نے پوچھا کہ آپ کا مطلب کیا ہے ابن میثم نے جواب دیا کہ میں تو تمہارا وہی کل والا دوست ہوں اگر یہ آستین و نیا لباس نہ ہوتا تمہارا یہ احترام مجھے ہرگز نہ ملتا۔ جب لوگوں نے بات سمجھی تو خجل و شرمندہ ہوئے اور اپنی غلطی تسلیم کی۔(استفادہ از کتاب فلاسفہ شیعہ، ص ۲۴۸، شیخ عبداللہ نعمہ۔ ترجمہ جعفر غضبان۔

قطب الدین شیرازی

محمود بن مسعود بن مصلح شیرازی۔ جو قطب الدین شیرازی کے نام سے مشہور ہیں خواجہ نصیر الدین کے نامور شاگردوں میں سے ایک تھے۔

قطب الدین ۶۳۴ھ میں شیراز میں متولد ہوئے اور اپنے والد ضیاء الدین مسعود بن مصلح کازرونی کے ساتھ جو مشہور طبیب تھے۔ اور مظفری اسپتال شیراز میں تدریس و معالجہ میں مشغول تھے، ابتدائی تعلیم کے مراحل ختم کئے وہ ماں باپ کے اکلوتے بیٹے تھے مگر چودہ سال کے نہ ہوئے تھے کہ باپ کا انتقال ہو گیا اور وہ طبابت و تدریس دونوں میں باپ کے جانشین ہوئے۔ چنانچہ دس سال تک اسی اسپتال سے منسلک رہے مگر مزید تحصیل علم کے شوق سے

مجبور ہو کر اسپتال کو خدا حافظ کہا اور اپنے چچا کمال الدین ابوالخیر بن مصلح کازرونی سے کتاب ''قانون ابن سینا'' پڑھنے کے لئے ان کے درس میں حاضر ہوئے۔ اس کے بعد انہوں نے خراسان اصفہان، بغداد و روم کا سفر کیا اور خواجہ نصیر الدین (جن کا اس زمانے میں عالم گر شہرہ تھا) کے سامنے زانوئے ادب تہ کر کے علم ہیئت و اشارات بوعلی کا درس لیا۔

قطب الدین خود اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

مجھے مظفری اسپتال میں طبیب کی نوکری مل گئی چونکہ چودہ سال کی عمر میں مجھے باپ کی موت کا صدمہ سہنا پڑا تھا اس لئے میں دس سال تک اسی حالت میں زندگی بسر کرتا رہا۔ دوسرے طبیبوں کی طرح مجھے بھی نہ تو مطالعات کی فرصت و مجال تھی اور نہ علاج و معالجہ کا وقت تھا لیکن میرا حوصلہ مجھے ابھارتا تھا کہ یہاں سے نکلے بغیر اس راہ کے اعلیٰ درجہ تک پہنچ نہ سکوں گا۔ پس میں نے آغاز تحصیل کو علم کر دیا اور کلمات قانون کو اپنے چچا سلطان حکماء و پیشوائی فضلا کمال الدین ابوالخیر بن مصلح کازرونی سے پڑھا اور شمس الدین محمد بن احمد کیشی حکیم اور شیخ کامل شرف الدین زکی بوشکانی کی خدمت میں حاضر ہوا کہ یہ دونوں اساتذہ کتاب مذکورہ کو با مغز و پوست پڑھانے، مشکلات و نکات سخت کو آسانی سے حل کرنے میں شہرت رکھتے تھے لیکن چونکہ یہ کتاب اسفن میں دشوار ترین کتاب ہے اور اس کو سمجھنا مشکل ہے۔ کتاب تین علمی باریکیاں، حکمت کے لطائف اور عجیب و غریب نکات اور اسرار و رموز بھرے پڑے ہیں جس سے ابنائے روزگار اس کے ادراک میں بالکل ناتوان و حیران رہتے ہیں اور ان کی ہمت و حوصلے اس کی اوج کمال تک پہنچنے میں جواب دے دیتے ہیں کیونکہ یہ کتاب افکار و

آراء متقدمین میں انتہا کو پہنچی ہوئی ہے اور ساتھ ہی ان باریک ترین و بہترین نکات پر مشتمل جو متاخرین نے دریافت کئے ہیں اس لئے میں نے ان سے کسی کو نہیں پایا کہ پوری کتاب کو سمجھنے و سمجھانے میں ماہر ہو۔ حتی کہ وہ شرح بھی جو امام فخر الدین رازی نے کی ہے مجھے دستیاب ہوئی مگر مشکل کو حل نہ کر سکی کیونکہ امام رازی نے شرح کے بدلے تمام کتاب یا چند اجزاء پر اعتراضات و جرح سے کام لیا ہے اسی طرح شرح امام قطب الدین مصری و افضل الدین گیلانی و نجم الدین نخجوانی سے بھی ہیں کچھ استفادہ نہیں کر سکا۔ مجبور ہو کر میں نے شہر دانش و حکمت کا رخ کیا و فیلسوف والا منزلت استاد نصیر الدین کے حضور میں پہنچا۔ تا کہ میری مشکلات حل ہو جائیں لیکن ان میں سے کچھ بھی باقی رہ گئیں تو میں نے خراسان کا سفر کیا پھر عراق گیا وہاں سے بغداد اور بالآخر بلاد روم پہنچا اور اس شہر کے حکیموں سے مباحثہ کیا وہاں کے طبیبوں سے ملاقات کی اور اپنی علمی مشکلات کو ان کے سامنے پیش کیا اور جو کچھ ان کے پاس تھا اس سے فائدہ اٹھایا اور آخر میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ ان میں سے کوئی بھی اس پر دسترس نہیں رکھتا لیکن اس تمام کوشش و گردش سفر کے بعد جب میں نے غور کیا تو پتہ چلا کہ میرے مجہولات (نامعلوم) بیشتر میرے معلومات ہی میں سے ہیں حتیٰ کہ ۶۱۸ھ میں مصر کے ملک منصور قلادون الفی صالحی کی خدمت میں رسائی ہوئی اور وہاں میں نے کلیات قانون کی تین کامل شرحیں پائیں پہلی فیلسوف محقق علاء الدین ابوالحسن علی بن ابی الحزم قرشی معروف بہ ابن نفیس کی تھی دوسری طبیب کامل یعقوب بن اسحق السامری منظبب کی اور تیسری حاذوق ابو الفرج یعقوب ابن اسحاق منظبب مسیحی معروف بہ ابن القف کی۔

اسی طرح میں نے جواب ہائے سامری کو پڑھا جو اس نے طبیب نجم الدین بن مفتاح کو دئے تھے اور تنقیح القانون پڑھی جو ہبیتہ اللہ بن جمیع الیہودی نے لکھا تھا اور اس میں شیخ الرائیس (بوعلی سینا) کو تردید کی گئی تھیں اس کے علاوہ اور بھی شرحوں و تردیدوں کو دیکھا اور مطالعہ کیا کہ کتاب کی جو مشکلات رہ گئی تھیں وہ مجھ پر آشکار ہو گئیں اور اس طرح کوئی تردد و اشکال یا ابہام نہیں رہ گیا نہ کوئی محل قیل وقال۔ اور جب میں نے یہ دیکھا کہ مجھ سے زیادہ کوئی بھی اس کتاب پر مسلط و آگاہ نہیں ہے تو میں نے اس کی شرح اور مشکلات توضیح نے کتاب کے مبہمات کی تحریر اور فوائد کو زیادہ کرنا مناسب و موافق مصلحت خیال کیا۔ (تاریخ فلاسفہ ایرانی، ص ۲-۴۶۱، ڈاکٹر اصغر حلبی، بنقل از مقدمہ کتاب التحفتہ السعد یہ قطب الدین شیرازی)

اس کے بعد قطب الدین تبریز جا کر بس جاتے ہیں اپنی عمر کے آخری ۱۴ سال تالیف و تحقیق میں گزار کر ۷۱۰ھ میں عالم روحانی کی طرف چلے جاتے ہیں۔

علوم میں ان کی یادگار موجود ہے علم طب میں ''قانون ابن سینا'' کی شرح پانچ جلدوں میں بنام ''التحفتہ السعد یہ'' ہے۔ ان کی دوسری معرکتہ الآرا تصنیف ''فتح المنان فی تفسیر القرآن'' ہے جو چالیس جلدوں میں مکمل ہوئی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ قطب الدین شیرازی سے شیعوں اور سنیوں کے مجمع میں سوال کیا گیا کہ علیؑ و ابوبکر میں کون افضل ہے؟ انہوں نے جواب میں کہا ''خیر الوریٰ بعد النبی من نبتہ فی بیتہ'' (تاریخ فلاسفہ ایرانی، ص ۴۶۶ھ، ڈاکٹر علی اصغر حلبی)۔ یعنی پیغمبر کے بعد بہترین مخلوق

وہ ہے کہ اس کی بیٹی اس کے گھر میں ہو یہ کلام ایسا ہے جو علی علیہ السلام پر شامل ہے اور ابو بکر پر بھی۔

ابن فوطی

کمال الدین عبدالرزاق شیبانی بغدادی۔ یہ حنبلی مسلک کے تھے ان کی عرفیت ابن فوطی یا ابن الصابونی ہے۔ آپ نصیرالدین طوسی کے معروف شاگردوں میں سے تھے ۸۱ سال کی عمر پائی اور تمام زندگی بہت زحمت و تکلیف اٹھا کر مسلمانوں کی خدمت انجام دی۔ ابن فوطی ۷۲۳ھ میں شہر بغداد ہی میں وفات پائی مگر ان کا اصلی وطن خراسان تھا۔

فتح بغداد کے وقت ان کی عمر ۱۴ سال سے زیادہ نہ تھی کہ مغلوں کے اسیر ہوگئے اور ۶۶۰ھ میں چار سال قید رہ کر رہائی پائی اور خواجہ نصیرالدین سے وابستہ ہوگئے ابن فوطی سے بہت علماء نے فیض حاصل کیا اور ان کی خدمت میں حاضر ہوئے مراغہ میں وہ دس سال تک رصدگاہ کے کتاب خانہ کے نگراں و ملازم رہے اور اپنی علم و دانش دوستی کے باعث کتاب خانہ مستنصریہ بغداد میں بھی مشغول خدمت رہے۔

ابن فوطی تحریر نگارش میں تبحر و مہارت رکھتے تھے وہ مدتوں اسی طرح گزران کرتے رہے۔

وہ درجہ اعلیٰ کے خطاط بھی تھے چنانچہ خوش خطی کی ہنر سے کام لیتے ہوئے انہوں نے اپنے قلم سے بہت سی کتابیں لکھیں۔

جن میں سے ایک خواجہ نصیر کی ضخیم کتاب ''زیج ایلخانی'' کا نام لینا کافی ہے۔

وہ ایک تاریخ نویس تھے اور اپنے عہد کے واقعات کے عینی شاہد بھی تھے۔ اس لئے (ساتویں صدی) کے حالات جوانہوں نے لکھے ہیں اس کی بڑی اہمیت ہے اور اس کا شمار ساتویں صدی کی اولین تاریخ کتب میں ہوتا ہے اہل سنت کے تاریخ نویسوں نے ان کو ''فیلسوف مورخین'' کا نام دیا ہے۔ان کی کتابیں ان کی سخت کوشی، بیش از بیش زحمات کی دلیل ہیں چنانچہ ان کی کتاب مجمع الادب پچاس جلدوں پر مشتمل ہے ان کی دیگر دو معروف تر کتابیں ''الحوادث الجامعہ'' و ''تلخیص مجمع الالقاب'' بھی ہیں۔

سید رکن الدین استر آبادی

حسن بن محمد شرف شاہ علوی استر آبادی بھی خواجہ طوسی کے معروف شاگردوں میں سے تھے جو ۶۴۰ ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۵ سال کی عمر میں ۷۱۵ میں فوت ہو گئے۔

کتابوں میں ان کا تعارف بطور شخص متواضع وصبور اور امرائے مغل کے نزدیک لائق واحترام ومنزلت کیا گیا ہے۔سید رکن الدین نے مدتوں خواجہ نصیر سے مراغہ میں استفادہ علمی کیا۔اور وہ خواجہ نصیر کے سفر بغداد ۶۷۲ ھ میں ان کے ہمراہ تھے۔ان کے آثار میں شرح مقدمہ ابن حاجب، حاشیہ بر تجرید الکلام خواجہ نصیر اور شرح قواعد العقائد خواجہ کا نام لیا جا سکتا ہے آخر الذکر کتاب انہوں نے طوسی کے کسی بیٹے کے لئے لکھی تھی۔

مرحوم محدث قمی نے ان کو نصیر الدین طوسی کے اصحاب خاص میں شمار کیا ہے اور ان کی وفات و مزار شہر تبریز میں بتائی ہے۔(فوائد رضویہ، ص ۱۲۱، محدث قمی)

خواجہ نصیر کے دیگر شاگرد جن کا نام کتب تاریخ علماء میں ہیں ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

عمادالدین، ابوعلی عبداللہ بن محمد بن عبدالرزاق جربوی بغدادی حاسب معروف بہ ابن الخوام، متولد سال ۶۴۳ وم توفی سال ۷۲۸ در بغداد۔

چموئی، ابراہیم بن شیخ سعدالدین محمد بن مویدابی بکر بن شیخ ابی عبداللہ محمد بن حمویہ بن محمد جیونی، متولد سال ۶۴۴ ومتوفی ۷۳۲

اثیرالدین اومانی، قریہ اومان جو ہمدان کی پاس ہے ان کو بطور ایک شاعر و اہل فن پہنچوایا گیا ہے جن کے فارسی دیوان میں پانچ ہزار اشعار ہیں۔

مجدالدین ابوالفتح محمد بن محمد طوسی

مجدالدین ابوعلی عبدالمجید بن عمر حارثانی

مجدالدین الیاس بن محمد مراغی

فخرالدین لقمان بن محمد مراغی

مکتب خواجہ نصیر میں جن کے دیگر دانش مندوں نے زانوئے ادب تہہ کیا اوران کے علم و دانش سے بہرہ مند ہوئے اختصار کا لحاظ رکھتے ہوئے ہم نے ان کا نام نہیں لکھا زیادہ معلومات کے لئے ابن فوطی کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے۔(الحوادث الجامعہ و تلخیص الالقاب ابن فوطی)

☆☆☆

فصل نہم

دانش و آثار خواجہ نصیر

سات سو برس سے زیادہ ہو گئے مگر آج بھی طوسی کے آثار علم و دانش و وسعت معلومات سے استفادہ جاری ہے۔

طوسی بہت سے عصری علوم بالخصوص فلسفہ و ریاضی میں صاحب نظر تھے۔ کلام منطق، ادبیات، تعلیم و تربیت اخلاق، فلک شناسی و رمل وغیرہ میں ایک مقام رکھتے تھے اور ان علوم میں انہوں نے اپنے آثار بطور یادگار چھوڑے ہیں۔

بزرگان علم و دانش نے ان کی علمی بلندی کا اعتراف مختلف الفاظ سے کیا ہے جیسے استاد بشر، افضل علماء سلطان فقہاء، سر آمد علم، اعلم نویسندگان، عقل حادی عشر معلم ثالث وغیرہ۔

مخالفین و غیر مسلمین نے ان کی جو تمجید و تعریف کی ہے وہ لائق توجہ اور خواجہ کے توسیع علم و دانش کا ثبوت ہے ان کی شہرت اسلامی سرحدوں کے پرلے ہے غیر مسلم اہل علم و دانش بھی اس بزرگ شخصیت کے بارے میں زبان کھولنے پر مجبور ہو گئے۔

جرجی زیداس موضوع پر لکھتا ہے:

اس ایرانی کی ذریعہ حکومت و علم مغلوں کی سلطنت کے ہر دور دراز علاقوں میں یوں پہنچ گیا کہ تم کہو گی کہ رات کی تاریکی میں نور تاباں تھا۔ (آداب اللغۃ العربیہ، ج ۳، ص ۲۳۴ فوائد

رضویہ،ص ۶۰۳ محدث قمی)

("فزها العلم فی بلاد المغول یدهذا الفارسی کانه قبس منیر فی ظلمته مدلهمد"

جرمن ادیب ''بروکلمن'' تاریخ ادبیات میں ساتویں صدی کے دانش مندوں کے بارے میں لکھتا ہے:

اس عہد کے مشہور ترین علماء و مولفین میں مطلقا و بلا شک نصیر الدین طوسی سر فہرست ہیں۔(سرگذشت وعقائد فلسفی خواجہ نصیر،ص ۸۱)

خواجہ کے علم و دانش سے گہری وابستگی کا حال یہ تھا کہ وہ لحظ بھر آرام سے نہیں بیٹھتے تھے اور سیاسی و اجتماعی کاموں میں مشغولیت کے باوجود قلم ان سے جدا نہیں ہوتا تھا۔حتیٰ کہ اسماعیلیوں قلعوں میں جب وہ اپنی زندگی کے دردناک واذیت ناک ترین لمحات گزار رہے تھے قلم و کتاب ان کی شب و روز کے مونس وغم گسار تھے۔نابغہ روزگار افراد کے لئے علم و دانش ایک گمشدہ سرمایہ ہوتا ہے جس کی جستجو میں وہ ہر لمحہ بڑی سے بڑی زحمت گوارہ کر لیتے ہیں اور خواب وخوراک کو بھی نظرانداز کر دیتے ہیں۔

لوگوں نے خواجہ نصیر الدین طوسی کے بارے میں لکھا ہے کہ جب ان کو کوئی مشکل مسئلہ عملی پیش آتا تو اسے حل کرنے کی فکر میں لگ جاتے جب کبھی رات کے آخری حصہ میں کوئی مسئلہ صاف وروشن ہو جاتا تو وہ خوشی سے حالت وجد میں پہنچ جاتے اور کہتے این الملوک وابناء الملوک من ہذہ اللذۃ یعنی بادشاہان وشہزادگان کہاں ہیں وہ آئیں اور میں اس وقت جس

لذت کا احساس کر رہا ہوں اسے دیکھیں گے کہ وہ لوگ جو لذت امور حسی میں پاتے ہیں اس سے یہ کہیں زیادہ لذیذ ہے۔(فلسفہ اخلاق، ص ۸۰، شہید مطہری)

خواجہ کی دانش کا ایک واقعہ

خواجہ نصیر الدین طوسی کے زمانے میں اہل تسنن کے بزرگ علماء میں سے ایک ملا قطب الدین شیرازی کا حلقہ درس ایسا تھا جس میں اہل علم شریک ہوا کرتے تھے۔ایک روز خواجہ نصیر بھی اس مجلس میں بھیس بدل کر پہنچ گئے اور آخری کونے پر بیٹھ کر ملا قطب الدین کی تقریر سننے لگے اور پھر چپ چاپ اپنے گھر چلے گئے۔ایک شخص خواجہ کے پاس بیٹھا تھا اس نے انہیں پہچان لیا اور اپنے استاد سے بولا کہ جو شخص میرے پہلو میں بیٹھا ہوا تھا وہ خواجہ نصیر تھا۔ ملا قطب الدین نے کہا کہ وہ کل صبح بھی یقیناً آئیں گے۔میں سوچتا ہوں کہ ان سے اس علم میں بحث کروں جس سے وہ نابلد ہوں۔شاگردوں نے استاد سے کہا کہ ہر علم میں ان کی تالیفات موجود ہیں مگر علم طب سے وہ ناآشنا ہیں اور اس بارے میں انہوں نے کچھ نہیں لکھا ہے۔ملا قطب الدین نے حکم دیا کہ کل ان کے شاگرد قانون ابن سینا لائیں تاکہ اس میں سے ''نبض'' کا درس شروع کیا جائے۔صبح ہوئی شاگرد جمع ہو گئے اور ملا قطب الدین نے بحث ''نبض'' کی تدریس شروع کر دی اور ابن سینا پر بہت سے اعتراضات وارد کئے، اپنی تحقیقات و نظر کو پیش کیا اس کے بعد اس شاگرد سے پوچھا جو خواجہ نصیر کے پاس بیٹھا تھا۔سمجھ گئے؟ شاگرد نے کہا جی ہاں سمجھ گیا۔ملا قطب الدین نے کہا کہ تو پھر اس کی تقریر کرو۔اس

نے تقریر شروع کی تو درمیان اس کی زبان لکنت کرنے لگی۔ خواجہ نصیر نے کہا کہ اگر اجازت ہو تو میں کچھ عرض کروں۔

ملا قطب الدین نے کہا کہ تم بھی سمجھ گئے انہوں نے کہا ہاں ملا قطب الدین بولے تو بیان کرو۔

خواجہ نے کہا جو اعتراضات آپ نے وارد کئے ہیں میں اسے ہی بیان کر دوں یا جو حق ہے اسے کہوں۔ ملا قطب الدین نے کہا پہلے میری تقریر دہرائی جائے پھر اس کے اشکالات اس کے بعد اپنا نظریہ بیان کرنا۔

خواجہ نے استاد کی گفتگو نقل کی اور ان کے شبہات کو بیان کا اس کے بعد جو حق و درست تھا اس کی تقریر کر دی۔

ملا قطب الدین فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے خواجہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ پر بیٹھا کر ان کا بہت احترام کیا اس کے بعد دونوں کے درمیان ''امامت'' کی بحث چھڑ گئی اور کافی لمبی گفتگو ہوئی۔

خواجہ نے حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کی خلافت ثابت کر دی اور ملا قطب الدین شیعہ ہو گئے۔ لیکن ایک مدت کے بعد وہ مذہب تشیع سے منصرف ہو گئے۔ تو خواجہ نے ان سے تین بار بحث کی تو قطب الدین نے سر تسلیم خم کر دیا اور مذہب تشیع قبول کر لیا مگر بعد میں پھر پلٹ گئے۔

چوتھی بار خواجہ نے ان سے بحث کرنا چاہی تو ملا قطب الدین نے کہا ''مجھ میں تم سے مناظرہ

کی طاقت نہیں ہے" اپنے کسی شاگرد سے کہو کہ مجھ سے بحث کرے۔ اگر اس نے مجھے شکست دے دی تو پھر ایسا شیعہ بن جاؤں گا کہ دوبارہ قدیم مسلک پر کبھی نہ پلٹوں گا۔ خواجہ نصیر نے اپنے ایک شاگرد کو حکم دیا کہ ان سے مباحثہ کرو۔ ملا قطب الدین مناظرہ میں مغلوب ہو گئے اور مذہب حقہ تشیع میں ایسے داخل ہوئے کہ پھر کبھی اس مذہب سے برگشتہ نہ ہوئے۔ (قصص العلماء، ص ۳۷۳ مرزا محمد تنکابنی)

خواجہ کی ریاضی دانی

بلاشبہ خواجہ کی زندگی کا ایک اہم ونمایاں رخ ان کی ریاضی دانی تھی آج تک انہیں الجبرا، حساب، ہندیہ، جیومیٹری اور علوم ریاضی کے جملہ شعبوں کا ایک عظیم عالم مانا جاتا ہے اور اسی سبب سے مغرب کے بڑے بڑے دانش مندوں نے انھیں ریاضی دان ہی سمجھا ہے اس کے علاوہ دیگر علوم میں خواجہ کی مہارت کا حال ان پر کھلا ہی نہیں۔ اگر خواجہ کی علم ریاضی میں خلاقیت و فطانت کا منظر دیکھنا ہو تو کتاب "الشکل القطاع" کا مطالعہ کرنا چاہیے خواجہ نے اس کتاب کے ذریعہ علم ریاضی میں اپنی برتری کو عصر حاضر و عہد گذشتہ کے تمام دانش مندوں پر ثابت کر دیا ہے انہوں نے مثلثات کو علم فلک سے جدا کیا اور پھر ہر ایک مقولہ کو جداگانہ شمار میں لائے۔ طوسی پہلے ریاضی داں ہیں جنھوں نے مثلث کروی کی چھ حالتوں کو قائم الزاویہ مثلث کے ذریعہ کام میں لیا اسی طرح ہندسہ (جیومٹری) کی دیگر شکلوں میں بھی انہوں نے اختراع کی ان کے نظریات و آثار موجود ہیں جن کی تعداد ۳۵ تک پہنچتی ہے یہ بات اس

حقیقت کو بتاتی ہے کہ اگر تاریخ کے پورے دور میں علم ریاضی میں بے مثال نہیں تو کم مثال و نظیر ضرور تھا۔

فلسفہ اور خواجہ

اشارات بوعلی سینا کے رموز کو حل کرنے میں طوسی کو عمیق و بلند فکر کسی سے پوشیدہ نہیں ہے انھوں نے مشائین (مشائین راستہ چلنا اصطلاحاً وہ فلاسفہ جو صرف عقل و استدلال پر تکیہ کرتے اور ارسطو و بوعلی سینا کے پیرو ہیں بخلاف اشراقیوں کے جو افلاطون و سہروردی کے پیرو ہیں وہ صرف عقل و استدلال سے کام نہیں لیتے بلکہ اس کے لئے سلوک قلبی و مجاہدات نفسی کو بھی لازم جانتے ہیں۔) کے فلسفے کو محکم و استوار کرنے میں جو کارہائے نمایاں انجام دئے وہ ان کی عملی و فلسفیانہ قدرت کا مظہر ہے۔

خواجہ نے اشارت (انتشارت بوعلی سینا کی آخری کتاب ہے جیسا کہ کتاب کے نام سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بہت ہی مہم و دقیق فلسفی منطق و عرفانی مطالب پر مشتمل ہے۔) بوعلی سینا کی جو شرح لکھی ہے اس میں نہ صرف ارسطو و افلاطون کے نظریات کو جو اس زمانے میں علمی ستون بن چکے تھے اسلامی فلسفہ سے خارج کیا بلکہ امام فخر الدین رازی کے اشکال و اعتراض کا جواب بھی دیا جو تنقید و اشکال وارد کرنے میں اتنے حساس و دقیق تھے انہیں امام المشککین کہا جاتا تھا۔

فخر الدین رازی کے اشکالات و شبہات کا سامنا بہت دنوں تک کوئی نہیں کر پاتا۔ وہ ابن سینا

کے افکار پر متعصّبانہ انداز میں حملہ کرتے تھے اور مشائین خصوصاً بوعلی سینا پر اعتراضات کی بھرمار کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کے توسط سے اسے مختلف ممالک اسلامی میں شایع و منتشر کرتے رہتے تھے یہاں تک کہ بوعلی کے افکار سے لوگوں کی توجہ کم ہوگئی لیکن اسی اثناء میں خواجہ نصیر میدان میں وارد ہوگئے ایک عظیم دانش مند جو خاندان پیغمبر و اہل بیتؑ معصوم کا پیرو تھا انہوں نے فخر رازی ''جو بزرگان اہل تسنن میں سے تھے'' کے تمام اعتراضات و شبہات کا ایک ایک کر کے جواب دے دیا۔ بعد میں خواجہ نے شرح اشارات لکھ کر بوعلی سینا کے افکار و مسلک میں دوبارہ جان ڈال دی اور اس کے چہرہ سے گمنامی کا غبار صاف ہوگیا بلکہ اس نے آنے والے زمانوں میں بھی اپنی راہ بنالی۔ اور ایسی کہ آج بوعلی کا نام فلسفہ دیار اسلامی کی بلند چوٹی پر درخشندہ ہے۔

طوسی اور علم کلام

علوم اسلامی میں سے ایک علم کلام بھی ہے جس میں عقائد کے بارے میں بحث ہوتی ہے۔ چونکہ اسلام ہمیشہ سے الحادی افکار و نظریات سے گھرا رہا اس لئے ابتدا ہی سے قرآن و پیغمبر اسلام و اصحاب۔ و ائمہ اطہار علیہم السلام کی نظر میں یہ عمل مورد توجہ رہا اور سب نے اس کی طرف توجہ دی اس بنا پر اس علم کی تاریخ اسلام کے ہم رکاب رہی ہے اور تاریخ اسلام کے پورے دور میں یہ علم کئی مراحل سے گزرا ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کے اصحاب میں سے فضل بن شاذان نیشا پوری تک جو اصحاب امام رضا علیہ السلام میں بھی تھے پھر تیسری

صدی میں خاندان نوبختی وابن قبہ رازی اور علی بن مسکویہ پانچویں صدی میں اس کے بعد ساتویں صدی یعنی خواجہ طوسی کے زمانہ تک علم کلام کا سفر جاری رہا ہے لیکن اس بزرگ وعظیم دانش مند کی وجہ سے علم کلام میں انقلاب عظیم آ گیا اور طوسی نے ''تجرید العقائد'' نام کی پر مایہ و محکم ترین کلامی تحریر تصنیف کردی اس کتاب نے علم کلام کے نئے افق اور نئے راستے کھول دئے آج تک یہ کتاب حوزہ ہائے علمیہ واسلامی یونیورسٹیوں میں داخل درس ہے اور سات سو برس سے اپنی جاودانی حیثیت قائم رکھے ہوئے ہے۔

اہل سنی المذہب دانش مند کا اعتراف

''فاضل قوشجی'' اہل سنت کے بزرگ عالم و دانش مند جن کا فضل وکمال بیش از بیش ہے آپ بھی کتاب تجرید العقائد کے معروف شارحین میں سے ایک ہیں ان کی شرح عام طور پر شرح جدید کے نام سے مشہور ہیں آپ تجرید العقائد کی عظمت کے بارے میں لکھتے ہیں:

مخزون بالعجائب، مشحون بالغرائب، صغیرالحجم، جیدالنظم، کثیرالعلم، جلیل الشان، حسن الانتظام، مقبول الائمہ العظام، لم یظفر بمثلہ علماء الامصار وھوفی الاشتھار فی رابعہ النھار (الکنی والالقاب، ج ۳، ص ۲۵۱، محدث قمی)

''یعنی یہ کتاب عجائب کا خزانہ وغرائب کا انبار ہے چھوٹی سائز کی، خوبصورت وتنظم، بہت بلند دانش والی و بہت مرتب جسے بزرگ رہبروں وائمہ نے قبول وتسلیم کیا علماء اس کا مثل نہ پائیں گے۔ یہ کتاب شہرت میں آفتاب نیم روز کی طرح درخشاں ہے۔''

تعلیم و تربیت

خواجہ کے متعدد آثار ہیں ''آداب المتعلمین'' نام کا چھوٹا سا رسالہ ہے جو سالہا سال گزرنے کے بعد محصلین کا رہنما اور طالب علموں کے مقصد و طریقہ کار کو بتانے والا ہے۔ اگرچہ خواجہ کلام و ریاضی و فلسفہ کی دنیا میں غرق رہتے تھے اور آج بھی ان کی شناخت اپنے زمانے کے عظیم و بلند فکر دانش مندوں کی ہے اس کے باوجود وہ اپنی توجہ کو آداب تعلیم و تربیت سے باز نہ رکھ سکے۔

خواجہ نے اس رسالہ میں بہت باریک نکات اخلاقی کی طرف اشارہ کیا ہے جس کی پابندی طالب علم کو آداب تعلیم و تعلم سکھا دیتی ہے یہاں پر ہم خواجہ کے ارشادات سے استفادہ کرنے کے لئے کتاب سے چند اقتباس نقل کریں گے۔

فصل چہارم کتاب جو طالب علموں کی کوشش و محنت سے متعلق ہے۔

خواجہ یہاں فرماتے ہیں

بزرگوں نے کہا ہے کہ ''من طلب شیاء وجد وجد ومن قرع بابا ولج ولج''

یعنی جو کوئی شے تلاش کرتا ہے اور اس میں کوشش کرتا ہے تو وہ اسے پا جاتا ہے اور جو کوئی دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اور جمارہتا ہے تو مراد کو پہنچ جاتا ہے۔

نویں فصل میں دوسروں سے استفادہ کے تعلق سے فرماتے ہیں

''کہا گیا ہے کہ ''العلم مایوخذ من افواہ الرجال لانھم یحفظون احسن مایسمعون ویقولون احسن

ما تحفظون‘‘

یعنی علم و دانش ایسی چیز ہے جو دانش مندوں کے ذہن سے لی جاتی ہے کیونکہ جو کچھ وہ سنتے ہیں اس کا بہترین حصہ یاد کر لیتے ہیں اور اسے دوبارہ سناتے ہیں۔

اس فصل میں وہ عمر و وقت سے استفادہ کی نصیحت کرتے ہیں

کہا گیا ہے کہ ’’اللیل طویل فلاتقصرہ بمنامک والنصار مضیٰ لاتکدرہ باثامک‘‘

یعنی رات طولانی ہے پس اسے سو کر مختصر نہ کر اور دن روشن ہے اسے اپنے گناہوں سے تیرہ تار نہ کر۔

اسی باب میں کسب علم کی راہ میں فروتنی وانکساری کے بارے میں فرماتے ہیں:

کہا گیا ہے کہ ’’العلم عز لا ذل فیہ ولا یدرک الا بذل لا عز فیہ‘‘

یعنی علم و دانش عزت و سربلندی ہے اس میں ذلت و خواری کا گذر نہیں اور اس سے فروتنی کے سوا کچھ نہیں ملتا جس میں اکڑپن بالکل نہ ہو۔

خواجہ کا ادبی پایہ

نصیرالدین کی جامعیت ایسی ہے کہ ہر علم و فن میں ان کا نام نظر آتا ہے شاید خواجہ نصیر ان کم نظیر ترین انسانوں میں ہوں جنہوں نے علم کے متعدد شعبوں میں اپنے قلم کی جولانیاں دکھائی ہیں ادبیات و شعر گوئی نگارش میں بھی وہ یدطوبیٰ رکھتے تھے

کتاب ’’الاخلاق ناصری‘‘ فارسی نثر کی شاہکار تحریروں میں سے ہے خواجہ نصیر جیسی محکم و کم

نظیر شخصیت نے قلم بند کیا ہے اور اپنی مہارت وقدرت قلمی دکھائی ہے۔

طوسی صرف فارسی نثر ہی میں استاد نہیں تھے بلکہ شعر میں بھی اپنی ایک نظر و روش رکھتے تھے یہاں تک کہ علم عروض (عروض ایک ادبی اصطلاح ہے جو کلام کا معیار و میزان ہے جیسے نثر میں علم نحو میزان ہے) میں معیار الاشعار نامی کتاب مرتب کی جو اب تک سند کے طور پر مستعمل ہے۔

اشعار خواجه

کتاب کے اس حصہ میں ہم اس دانش مند کے بعض ایسے اشعار نقل کریں گے جو ان کے افا کر و اندیشہ کا پتہ دیتے ہیں۔

موجود بحق، واحد اول باشد
باقی همه موهوم و مخیل باشد
هر چیز جزاو که آید اندر نظرت
نقش دومین چشم احوال باشد

منم آنکه خدمت تو کنم و نمی توانم
توی آنکه چاره من نکنی و می توانی
دل من نمی پذیرد بدل تو یار گیرد

تبو دیگر چه ماند تو بدیگری چه مانی

لذاب دنیوی همه هیچ است نزد من
در خاطر از تغیر آن هیچ ترس نیست
روز تنعم و شب و طرب مرا
غیر از شب مطالعه و روز درس نیست

نظام بی نظام ار کافرم خواند
چراغ کذب را نبود فروغی
مسلمانان خونمش زیر که نبود
مکافات دروغی جز دروغی

اقبال را بقا نبود دل بر او مبند
عمری که در غرور گزاری هبا بود
ور نیست باور تز من این نکته گوشکن
اقبال را چو قلب کنی لا بقا بود

گفتم که دلم ز علم محروم نشد
کم ماند ز اسرار که مفهوم نشد
اکنون که به چشم عقل در می نگرم
معلوم مم شد که هیچ معلوم نشد
هر چند همه هستی خود می دانیم
چون کار به ذات می رسد حیرانیم
بالجمله به دوك پیره زن می مانیم
سر رشته به دست ماو سر گردانیم

بسی تیر و دی ماه اردیبهشت
بیاید که ما خاك باشیم و خشت
بس می وزد مشك بو بارها
که ما رفته باشیم از یادها

اندر ره معرفت بسی تاخته ام
و اندر صف عارفان سر افراخته ام
چون پرده ز روی عدل بر انداخته ام

بشناخته ام که هیچ نشناخته ام

افسوس که آنچه برده ام باختنی است
بشناخته ها تمام نشناختنی است
برداشته ام هر آنچه باید بگذاشت
بگذاشته ام هر آنچه برداشتنی است

خود اپنے سائے سے گھڑی، ساعت، وقت پہچاننے کے لئے ان کے یہ اشعار نقل کئے گئے ہیں:

چو خواهی بدانی تو ساعات روز
زمین مساوی طلب دل فروز
پس آنگه ببین سایه خویش را
قدم کن بدانی کم و بیش را
قدم چون شود بیست آنگه چهار
بود ساعت اولین از نهار
شود سیزده چون قدم ای پسر
دو ساعت از آن روز دانی دگر

ببین نه قدم را سه ساعت شناس

توشش را بیا چار دان بی قیاس

سیم گر بود ساعت پنجمن

ششم ظل ثانی ز کل بر زمین

قدم چون سه ماند بعد زوال

بود ساعت هفتمین بی مثال

دگر شش قدم هشت ساعت شمار

نهم ساعتش نه قدم می شمر

دهم ساعتش دان ده و دو قدم

ده و چهار شد یازده بی الم

بساعت ده و دو شو در غروب

خود عالم افروز دورا از عیوب

قرآن کریم کے قواعد سے متعلق یہ مشہور اشعار ان سے منسوب کئے گئے ہیں۔

تنوین و نون ساکنه
حکمش بدان ای هوشیار

کز حکم وی زینت بود
اندر کلام کردگار

اظهار کن در حرف حلق
ادغام کن در یرملون

مقلوب کن در حرف با
در ما بقی اخفا بیار

خواجہ کے اشعار میں سے ایک قطعہ عمر خیام کے مشہور قطعہ سے مربوط ہے۔ خیام نے مسلک خبر پر کہا ہے۔

من می، خورم هر که چون من اهل بود

می، خوردن من بہ نزدا وسھل بود
می، خوردن من، حق ز ازل می دانست
گر می، نخور علم خدا جھل شود
اس کے جواب میں خواجہ نصیر نے فرمایاھے۔
این نکتہ نگوید او اھل بود
زیرا کہ جواب شبھہ اش سھل بود
علم ازلی علت عصیان کردن
نزد عقلاء زغایت جھل بود

صرف فارسی ہی نہیں بلکہ خواجہ طوسی نے عربی زبان میں بھی اشعار کہے ہیں اسی میں مدح حضرت علی علیہ السلام کے یہ اشعار بھی ہیں۔
لو ان عبدا اتی بالصالحات عندا
وود کل نبی مرسل دولی
وصام ما صام صوام بلا ملل
وقام ما قام قوام بلا کسل
وطاف بالبیت طوف غیر منتعل
وطاری فی الجولا یادی الی حد

وخاص فی البحر ماموناً من البلل
واکسی الیتامی من الدیباج کلھم
واطعمھم من لذیذ البر والعسل
وعاش فی الناس الافاً مولفه
عار من الذنب معصوماً من الزلل
ما کان فی الحشر یوم البعث منتفعا
الا بحب امیر المومنین علی

یعنی اگر کوئی بندہ روز قیامت تمام اعمال صالحہ اور جملہ پیغمبروں و اماموں کی دوستی کے ساتھ آئے اس طرح کہ اس نے بغیر خستگی و بے دلی کے دن روزہ رکھا ہو۔ راتیں عبادت میں گزاری ہوں پا پیادہ (پیدل) متعدد حج کئے ہوں اور خانہ کعبہ کا طواف کر چکا ہو، آسمان کے بلندیوں پر بلا توقف پرواز کرتا ہو، دریا میں جائے اور بھیگے نہیں تمام یتیموں ریشمی لباس پہنائے اور انہیں گیہوں کی روٹی و شہد کھلائے۔ ہزاروں سال بغیر لغزش و گناہ کے لوگوں میں زندگی بسر کرے پھر بھی روز قیامت اسے کوئی فائدہ نہیں ملے گا مگر یہ کہ علی علیہ السلام کا دوست دار ہو۔

آثار خواجہ نصیر

خواجہ نصیر نے اپنے زمانے کے پیشتر علوم وفنون پر اپنی یادگار پیش قیمت تحریریں چھوڑیں ہیں جس میں سے چند اب تک علمی محفلوں اور دانش گاہوں میں کتاب درس کے طور پر پڑھائی جاتی ہے۔

خواجہ نے اپنی اہم اور بڑی کتابیں اسماعیلی قلعوں میں رہ کر لکھیں اور کچھ بعض ایسے اوقات میں جب کہ وہ سیاسی واجتماعی امور میں مشغول تھے۔

جہاں تک خواجہ کی ریاضی، فلسفہ،علم الافلاک پر کتابوں کی گراں قیمتی کا سوال ہے اس لئے کہ یہ بتانا کافی ہے کہ ان کی بہت سی کتابوں کا انگریزی وفرانسیسی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

''ابن شاکر'' نے کتاب فوات الوفیات اور ''صفدی'' نے الوافی بالوفیات نے تقریباً چالیس تصانیف کا ذکر کیا ہے صاحب کتاب ''احوال وآثار خواجہ'' جنہوں نے تمام لکھنے والوں سے زیادہ مفصل اس موضوع پر بحث کی ہے وہ ۱۹۰ تصنیفات بتائی ہیں۔

ہم کتاب کی اس فصل میں ابتدا میں طوسی کی اہم تصانیف کا ذکر کریں گے اس کے بعد ان کی دیگر کتابوں کو گنائیں گے۔

تجرید العقائد۔اس کتاب میں علم کلام کی بحث اور یہ نصیر الدین طوسی کی معروف ترین وبیش قیمت کتابوں میں سے ہے اس کے علمی مطالب کی بلندی وباریکی نے علماء ودانش مندوں کی توجہ کھینچ لی ہے اس کتاب کے مختلف حواشی وشرحیں لکھی گئی ہیں ان میں سے چند اہم کتب درج ذیل ہیں

''کشف المراد فی شرح تجرید الاعتقاد'' نوشتہ علامہ حلی یہ تجرید خواجہ کی پہلی شرح ہے اور اس

میں علمی گہرائی وسنگینی بہت ہے اس طرح کہ تجرید کے شارحین میں سے ایک ملاقوشجی فرماتے ہیں کہ اگر علامہ کی شرح نہ ہوتی تو ہم خواجہ کی تجرید کو سمجھ نہ پاتے۔

تسدید القواعد۔ ازشمس الدین اصفہانی یہ شرح ''شرح قدیم'' کے نام سے مشہور ہے۔

شرح تجرید۔ از ملاعلی قوشجی (یکے از بزرگ علمائے اہل سنت) علمائے کے درمیان اسے ''شرح جدید'' کہا جاتا ہے۔

''شوارق الالہام فی شرح تجرید الکلام'' نوشتہ مولیٰ عبدالرزاق لاہیجی شاگرد ملا صدرای شیرازی۔

''شرح اشارات'' کتاب کا متن بزرگ فلسفی بوعلی سینا کا ہے اس کی شرح کئی علماء نے لکھی ہیں۔ خواجہ نصیر نے اس کی شرح تین جلدوں میں کی ہے اس فلسفہ، منطق وعرفان وغیرہ کا مضمون سمویا ہوا ہے خواجہ کی اس شرح پر علامہ حلی، قطب الدین رازی وعبدالرزاق لاہیجی و دوسروں نے تعلیقات لکھے ہیں۔ (متن وشرح دونوں عربی زبان میں ہے)

قواعد العقائد۔ اصول عقائد میں مختصرسی کتاب ہے اس کی بھی شرحیں لکھی گئی ہیں منجملہ ان کے علامہ حلی کی ''کشف الفوائد'' بھی ہے۔

اخلاق ناصری۔ یہ کتاب علم اخلاق میں ہے یہ ابوعلی مسکویہ کی کتاب الطہارہ عربی کا فارسی میں ترجمہ ہے جسے خواجہ ناصرالدین محتشم قہستان کے لئے لکھ کر اس کا نام اخلاق ناصری رکھ دیا

اوصاف الاشراف۔ فارسی زبان میں سیروسلوک وتصوف لکھی گئی۔

آغاز وانجام۔ مبداء ومعاد (آغاز انجام) کے موضوع پر فارسی میں ہے۔

تحریر مجسطی۔ اصل کتاب ''حکیم بطلیموس یونانی کی تحریر ہے دوسری صدی عیسوی میں تھا اس کتاب کا موضوع علم ہیئت ہے جسے خواجہ نے تحریر کیا ہے۔ (تحریر کا مطلب ہے دوسروں کی کتاب کی تصحیح یا تلخیص ہوتا ہے۔)

تحریر اقلیدس۔ علم ہندسہ (جیومیٹری) میں ہے۔ طوسی نے اس کتاب میں اقلیدس کے بر خلاف قضیہ فیثاغورث کے لئے سولہ مورد خاص ترتیب دئے ہیں۔

تجرید المنطق۔ علم منطق میں عربی رسالہ اس کی متعدد شرحیں لکھی گئی ہیں جس میں سبسے اہم شرح علامہ حلی بنام ''جوہرالنضید'' ہے۔

اساس الاقتباس۔ یہ بھی علم منطق میں ہے۔ شفاء بوعلی سینا کے بعد اس علم کی مہم ترین کتاب یہی ہے۔

زیج ایلخانی۔ ہم ہیئت میں فارسی زبان میں لکھی گئی یہ کتاب رصد خانہ مراغ کی تحقیقات کے حاصل کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔

طوسی کی کچھ اور کتابیں:

۱۲ آداب البحث فن تعلیم وتربیت

۱۳ آداب المتعلمین فن تعلیم وتربیت

۱۴۔ آغاز وانجام حیوان ونبات ومعاون ومتفرقات

۱۵۔اثبات بقاء النفس

۱۶۔اثبات الجواہر

۱۷۔اثبات العقل

۱۸۔اثبات العقل الفعال

۱۹۔اثبات الفرقتہ الناجیہ

۲۰۔اثبات اللوح المحفوظ

۲۱۔اثبات الواجب تعالیٰ

۲۲۔اختیارات المہمات

۲۳۔اختیارات النجوم

۲۴۔الاسطورانتہ

۲۵۔استخراج التقویم

۲۶۔الاشکال الکرویہ

۲۷۔الاعتقادات

۲۸۔اقسام الحکمتہ

۲۹۔الامامتہ

۳۰۔الانعکاسیہ

۳۱۔ایام ولیالی

۳۲۔البارع فی التقویم واحکام النجوم

۳۳۔بقاءالنفس بعدفناءالجسم

۳۴۔بیست باب اسطرلاب

۳۵۔تجریدالہندسہ

۳۶۔تحریراکرمالاناوس

۳۷۔تحریرکتاب الکرۃالمتحرکتہ

۳۸۔تحریرکتاب المساکن

۳۹۔تحریرالمطالع

۴۰۔تذکرہ الہیئۃ

۴۱۔تربیع الدائرۃ

۴۲۔ترجمہ صورالکواکب

۴۳۔تسطیح الکر

۴۴۔تعدیل المعیار

۴۵۔التقویم العلایی

۴۶۔تلخیص المحصل

۴۷۔تنسوق نامہ ایلخانی

۴۸۔تہافت الفلاسفہ

۴۹۔جامع الحساب

۵۰۔جام گیتی نما

۵۱۔الجبر والاختیار

۶۲۔خلافت نامہ

۵۳۔خلق الاعمال

۵۴۔رسالہ در عروض

۵۵۔رسالہ در کرہ واسطرلاب

۵۶۔رسالہ در کلیات طب

۵۷۔الزبدہ

۵۸۔شرح اصول کافی

۵۹۔الطلوع والغروب

۶۰۔ظاہرات الفلک

۶۱۔علم المثلث

۶۲۔الفرائض النصیریہ

۶۳۔الماخوذات

۶۴۔مساحتہ الاشکال

۶۵۔المطالع

٦٦۔المعطیات

٦٧۔المفروضات

٦٨۔نقدالتنزیل

☆☆☆

فصل دھم

وفات خواجہ

خواجہ کی وفات :۱۸/ ذی الحجہ ۶۷۳ھ کو بغداد کے آسمان کا رنگ دگرگوں تھا یا کوئی ایسا اتفاق واقع ہونے والا ہے۔جس سے اس شہر کا سکون ختم ہوجائے گا اور لوگ سوگوار ہوجائیں گے۔

ایک ایسا مرد بستر بیماری پر پڑا ہوا تھا جس کی پرشکوہ زندگی سراسر حادثات سے بھرپور تھی جس نے سالہا سال شمشیر وسنان کا نظارہ کیا اور ایک شہر سے دوسرے شہر کی ہجرت واسیری کا تجربہ بھی تھا۔

وہ مرد جس کی حیات نے ایران کی سرزمین کو دوسری زندگی بخش دی جس کا قلم علم ودانش کے لئے دریچے کھولتا رہا۔دوستوں اور اہل خاندان کے حلقے میں اس نے اپنے پیروں کو قبلہ کی سمت دراز کردئے۔اور ہاتھوں کی ان انگلیوں کو جسے اس نے ایک دن بھی آرام نہیں دیا تھا اور قلم کے ذریعہ ان کا سکھ چھین لیا تھا۔آج نوید راحت وآسائش دے دی۔

وہ ایسا خستہ وچور تھا کہ تھکن اس کے سروصورت سے برس رہی تھی۔ہاں اس نے احساس کرلیا کہ ساحل استراحت نزدیک ہے شاید علماء وصالحین وبزرگوں میں سے کوئی بھی ایسی ناگوار زندگی وشورش زدہ قضاو پرحادثہ میں دور میں نہ جیا ہوگا۔

اس نے اپنی پوری زندگی وحشی،خونخواری، بے تمدن قوم میں گزاری جو معمولی بہانہ بنا کر پیرو

جوان واطفال کا سراڑا دیتے تھے ان کی آب شمشیر کے لئے عالم وغیر عالم یکساں تھے۔
طوسی کی تمام زندگی میں تلوار کا منحوس سایہ اس کے سر پر رہا اور اسی بربریت کے سایہ تلے اس نے اپنے مکتب کے عقائد وافکار نشر کئے اور اپنی یادگار بے شمار کتابیں چھوڑ گیا۔
اب وہی کتابیں اسی کی جگہ پر اس کے فرزندوں کے لئے تھیں جو ابدی خدا حافظی کے وقت اس نے ان کے حوالے کی تھیں۔ تاریخ کہتی ہے: ان کے اعزا میں سے کسی نے خواجہ کے قریب جا کر اطمینان کے ساتھ کہا کہ وصیت کیجئے کہ آپ کو مرنے کے بعد جوار قبر المومنین علیہ السلام میں دفن کیا جائے۔ خواجہ سراپا ادب تھے خواب میں بولے ''مجھے شرم آتی ہے کہ مروں تو اس امام (موسیٰ کاظم) کے جوار میں لے جایا جاؤں اس کا آستانہ چھوڑ کر کہیں اور۔
اتنی گفتگو کے بعد پھر وہ خود میں گم ہو گئے اور سرگوشی کی سی کیفیت طاری ہو گئی حتی کہ دنیا سے آنکھ بند کر کے اہل علم و دانش کو اپنے غم وعزا میں بیٹھا دیا۔
بغداد سراسر غرق ماتم ہو گیا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے دس دانش مند بزرگ کی عارفانہ سرگوشی کے بعد خورشید عالم غروب ہو گیا۔ اور ہر آنکھ سے اشکوں کا سیلاب جاری ہو گیا۔
خواجہ کی وفات نے تمام بلاد اسلامی کے سر پر عزا کی شال اڑھا دی بالخصوص عالم اسلام کے شیعوں کا تو حال ہی ناگفتی تھا کیونکہ تشیع اور ایران نے حکومت میں نفوذ رکھنے والے اپنے زمانے کے بزرگ ترین انسان کو کھو دیا تھا۔
خواجہ کی تشیع جنازہ میں بچے جوان، بزرگ مرد عورت با چشم گریاں شریک تھے ان کی میت اپنے کاندھوں پر احترام کے ساتھ آستان مقدس امام موسیٰ کاظم کے روضہ تک لے گئے۔ جس

وقت ان کی قبر کھودنا چاہا تو وہاں پہلے سے تیار قبر کا سراغ ملا۔ اور عجیب بات یہ کہ خواجہ کی تاریخ ولادت اور اس قبر کی تیاری ایک تھی۔ کہا جاتا ہے کہ جس دن خواجہ نے طوس میں آنکھ کھولی اسی دن امام موسیٰ بن جعفر نے ان کے لئے اپنے پاس جگہ مہیا کر دی کیونکہ خواجہ بھی تمام عمر مغلوں کا اسیر و زندانی رہا اور کنج قید میں بھی ایک لحظ اپنے شیعی اعمال و مناجات میں کمی نہیں کی۔

طوسی کو امام کاظم علیہ السلام کے جوار میں سپرد خاک کیا گیا اور ان کی قبر پر آیت شریفہ ''وکلبھم باسط ذراعیہ بالوصید'' نقش کر دی انہوں نے بقائے الٰہی میں تعجیل کی اور اس جہاں خاکی کو ہمیشہ کے الوداع کہا۔

لیکن خواجہ کا نام ان کے رشحات فکر و قلم ہمیشہ ہمیشہ شیعوں کے گھروں میں باقی رہیں گے۔ اور جس طرح صدیاں گزر جانے کے بعد بھی ان کا نام علم و دانش کے میناروں سے چمکتا ہے اور اس کی یہ چمک بآواز بلند تشیع کے جاودانی شکوہ عظمت و کوشش، وانتھک محنت کی کہانی سناتی ہے۔ (ان کی وفات پر شاعر نے کہا ہے:

نصیر ملت و دین پادشاه کشور فضل
یگانه ای که چون او مادر زمانه نزاد
بسال ششصد و هفتاد و دو بذی الحجه
بروز هیجدهم در گذشت در بغداد

کتاب نامه

اس کتاب کی تدوین میں جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔

۱۔مقدمہ کتاب اساس الاقتباس خواجہ نصیر الدین بقلم مدرس رضوی

۲۔مقدمہ کتاب منتخب الاخلاق ناصری خواجہ نصیر الدین بقلم جلال ہمایی۔

۳۔شیوہ دانش پژوہی (ترجمہ آداب المتعلمین) خواجہ نصیر الدین طوسی، بقلم باقر غباری۔

۴۔اعیان الشیعہ، ج ا، علامہ سید محسن امین

۵۔کشف الظنون، ج ا، مولی مصطفی

۶۔معجم البلدان، ج ۴، یاقوت الحموی

۷۔شذرات الذہب جزء ۵، عبدالحی حنبلی

۸۔الذریعہ، آقا بزرگ تہرانی

۹۔فوات الوفیات، ابن شاکر

۱۰۔الوافی بالوفیات، صفدی

۱۱۔تاریخ حبیب السیر، ج ۳، خواند میر

۱۲۔جامع التواریخ، ج ۲، خواجہ رشید الدین فضل اللہ

۱۳۔جہانگشا، ج ۳، عطا ملک جوینی

۱۴۔ہفت اقلیم امین احمد رازی

۱۵۔الکنی والالقاب، ج ۳، محدث قمی

۱۶۔تتمۃ المنتہی محدث قمی

۱۷۔فوائد رضویہ محدث قمی

۱۸۔تحفتہ الاحباب محدث قمی

۱۹۔لولوی البحرین یوسف بن احمد بحرانی

۲۰۔معجم رجال الحدیث، ج ۱۷، آیت اللہ خوئی

۲۱۔ریحانتہ الادب، ج ۲، میرزا محمد علی مدرس

۲۲۔روضات الجنات، ج ۲، محمد باقر موسوی خوانساری

۲۳۔مجالس المومنین، ج ۲، قاضی نور اللہ شوشتری

۲۴۔قصص العلماء، میرزا محمد تنکاینی

۲۵۔فلاسفہ شیعہ، عبداللہ نعمہ۔ترجمہ جعفر غضبان

۲۶۔مفاخر اسلام، ج ۴، علی دوانی

۲۷۔آشنایی با فلاسفہ ایرانی، ڈاکٹر علی اصغر حلبی

۲۸۔دانش مندان نامی اسلام، سید محمود خیری

۲۹۔با دانشمندان شیعہ و مکتب آنہا آشنا شویم، ج ۳، سید جواد امیر اراکی

۳۰۔احوال و آثار خواجہ نصیر الدین، محمد تقی مدرس رضوی

۳۱۔سرگذشت و عقائد فلسفی خواجہ نصیر، محمد مدرسی زنجانی

۳۲۔خواجہ نصیر الدین، مصطفی بادکوبہ ای ہزاوہ ای

۳۳۔یادنامہ خواجہ نصیر، دانشگاہ تہران

۳۴۔تاریخ مغول،عباس اقبال آشتیانی

۳۵۔تاریخ اجتماعی ایرنا،ج ۲،مرتضی راوندی

۳۶۔تاریخ علم درایران،ج ا، ۲ مہدی فرشاد

۳۷۔لغت نامہ،علی اکبر،ہنجدا

۳۸۔چنگیزیان چہرہ خون ریز تاریخ،محمد احمد پناہی

۳۹۔حسن صباح چہرہ شگفت انگیز تاریخ،محمد احمد پناہی

۴۰۔فلسفہ اخلاق،شہید مطہری

۴۱۔امامت ورہبری،شہید مطہری

۴۲۔مجلہ مقالات و بررسی ہادفتر ۲۸،نشریہ دانشکدہ الہیات و معارف تہران ، مقالہ ڈاکٹر دانش تقی پژوہ

۴۳۔مجلہ کیہان فرہنگی،سال ۶۵ ش ۵،مقالہ ڈاکٹرعبدالہادی حائری

***

ISLAMICMOBILITY.COM
IN THE AGE OF INFORMATION
IGNORANCE IS A CHOICE

"Wisdom is the lost property of the Believer,

let him claim it wherever he finds it"

Imam Ali (as)